دیدہ دانستہ

(مزاحیہ)

عبدالقیوم

Marfat.com

دیدہ دانستہ

(طنز و مزاح)

عبدالقیوم

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

111456

©جملہ حقوق محفوظ
2012ء

اہتمام ملک مقبول احمد
ناشر مقبول اکیڈمی
سرورق انیس یعقوب
مطبع خورشید مقبول پریس
قیمت 350 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

Marfat.com

طنزیہ

و

مزاحیہ

ادب کے محسن

''سفیرِ ظرافت''

ضیاءالحق قاسمی (مرحوم)

کے

نام

جن کی زندگی کا واحد مقصد طنز و مزاح کی جگمگاتی روشنی کو دور دور تک پھیلانا رہا۔ ان کی وفات سے طنز و مزاح کا ٹمٹماتا دیا کبھی کبھار اپنے ہونے کا ثبوت دیتا ہے!

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

''دیدہ دانستہ'' میرے طنزیہ ومزاحیہ مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے، جس میں بیس مضامین شامل ہیں۔اس سے پہلے ''پیچ وتاب'' کے نام سے بیس مضامین کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ جس پر صاحب قلم حضرات نے موافق تبصرے کئے تھے۔ پہلی کتاب کا دیباچہ خود ہی لکھا تھا تا کہ پڑھنے والے اور صاحبِ قلم تحریریں پڑھ کر بے لاگ رائے قائم کریں۔ دوسرے مجموعہ کا دیباچہ بھی اسی خیال سے سپرد قلم کر رہا ہوں۔

یوں تو اردو ادب میں قابل قدر طنز ومزاح لکھنے والے گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ دنیا کے طنز ومزاح نگاروں کے دوش بدوش کھڑے ہیں۔ بقول ضمیر جعفری مرحوم: ''میری رائے میں پطرس اور رشید احمد صدیقی کے بعد اردو مزاح نگاری میں ایک واضح انقلاب کی لہر شفیق الرحمٰن، مشتاق احمد یوسفی، ابن انشاء، کرنل محمد خان اور محمد خالد اختر کے ہاں آکر ابھرتی ہے۔ یہ لوگ مزاح نگاروں کے معلم معلمین ہیں۔ یہ سب اتنے عظیم، اتنے منفرد ہیں کہ ان کو کسی کے آگے پیچھے نہیں کھڑا کیا جا سکتا''۔

تاہم یہ کہنا بھی بے جا ہوگا کہ اردو ادب میں بہت سے قابل تقلید اور منفرد طنز ومزاح لکھنے والے اور بھی گزرے ہیں، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے فرحت اللہ بیگ، کنہیا لال کپور، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ مزاح اور طنز دو مختلف سمتوں کی طرف رہنمائی کرنے والے اسلوب ہیں مزاح اگر پڑھنے والے کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتا اور دل ودماغ کو فرحت بخشتا ہے تو طنز ذہن میں سوچ کی لہروں کو موجزن کرنے ساتھ ساتھ خامیوں اور کوتاہیوں پر دلسوزی کرنے اور اصلاح احوال کی کسی حد تک ترغیب بھی دینے کا موجب بنتا ہے۔

Marfat.com

ایسے اہل قلم بھی ہیں جو مزاح کو تو تحسینی نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن طنز کو جھنجھلاہٹ اور غم و غصے کا اظہار کہہ کر اسے کم تر درجہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ طنز نگار کے دل میں، جو فرد، معاشرے اور حالات کی زبوں حالی سلگن کا باعث بنتی ہے، وہ اس سے مجبور ہو کر قلم کی نوک پر تیز و تند اور ہٹیلے کٹیلے اثرات کے حامل الفاظ کو تحریر میں سمو کر خود کو سکون آشنا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پطرس کے بعد مہذب انداز میں طنز و مزاح لکھنے والوں میں چراغ حسن حسرت کو کم تر درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح کنہیا لال کپور کے اکثر مزاحیہ مضامین کے دوش بدوش ان کے طنزیہ مضامین بلاشبہ عمدہ مثال ہیں۔

بہر حال طنز و مزاح کو ملا جلا کر مسکرانے اور سلگانے کے ''ایک پنتھ دو کاج'' کی خاصیت رکھنے والے مضامین قاری کو متاثر ضرور کرتے ہیں بشرطیکہ ان کو اس طور آمیز کیا جائے کہ دونوں کو الگ الگ کرنا ممکن نہ رہے یعنی مزاح کے ساتھ ساتھ چھپا طنز بھی ہو طنز میں اگر مزاح کی آمیزش نہ ہو تو وہ روکھا پھیکا لگتا ہے۔ مزاح طنز کی کاٹ میں دلچسپی پیدا کرتا ہے، اسی لئے خالص طنز نگار بہت ہی کم گزرے ہیں۔ طنز مزاح نگار دنیا کی ہر زبان میں قابل قدر ٹھہرتے اور تاریخ ادب میں زندہ رہتے ہیں! طنز میں اگر تلخی، لچر پن اور ہتک آمیز لفظوں کے ذریعے زور پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو پھر وہ طنز نہیں بلکہ گالی گلوچ اور دست و گریباں ہونے کے بعد اول فول بکنے کی سرحد کو جا چھوتا ہے۔ میں چند مثالیں ادنیٰ طنز کی پیش کرتا ہوں:

> ''بعض کے نزدیک دوستی صرف یہ ہے کہ آپ اپنے
> ہر تیسرے فقرے میں ان کی ماں بہن کو گالی دیجئے
> یا پھر ان سے ہر جملے کی تمہید کے طور پر ماں بہن کی گالی سنیئے''

(مضمون: دوست اور دوستی۔ نظیر صدیقی۔ شہرت کی خاطر)

اسی طرح ذیل کا اقتباس حقیقتوں کی بیخ کنی پر مبنی ہے۔ یہ نامناسب طنز ہے کہ بڑے دھڑلے سے دعویٰ کیا جا رہا ہے:

''بڑھاپے کے بارے میں یہ عرض ہے کہ انسان بوڑھا معاشرتی خرابیوں کی بناء پر ہوتا

Marfat.com

ہے (واضح رہے کہ میں لفظ معاشرہ کو وسیع ترین معنوں میں استعمال کر رہا ہوں) اگر معاشرے میں صحت مند اقدار کی کارفرمائی ہو جائے تو انسان کبھی بوڑھا نہ ہو۔ میرے خیال میں انسانی زندگی کے چار نہیں بلکہ تین درجے ہیں: بچپن، لڑکپن، جوانی۔ بڑھاپا فطرت کا عطیہ نہیں بلکہ خود انسان کے کرتوت کی سزا ہے۔ لہٰذا انسان جب جیو اور جینے دو کے اصول کو اچھی طرح اپنا لے گا تو پھر کبھی بوڑھا نہیں ہوگا"۔

(مضمون: عمر طبیعی۔ مشکور حسین یاد (جوہر اندیشہ)

مشفق خواجہ کے کالم طنز و مزاح کے بہترین نمونہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن کہیں کہیں وہ طنز کو کھینچ تان کہ تضحیک کی سطح تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا اپنا مخصوص انداز تھا۔ مثلاً "انشائیہ اور سنگ طفلاں" میں چند سطور کی آخری دو ڈھائی طنزیہ سطور ملاحظہ ہوں:

"ایک طرف وہ ڈاکٹر وزیر آغا کے ادبی حریفوں سے نبرد آزما رہتے ہیں اور دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کے ادبی کارناموں اور کاموں کی تعبیر و تشریح میں عالمانہ تحریریں لکھتے رہتے ہیں۔ مخالفوں سے ڈاکٹر انور سدید کا سلوک خالصتاً ناگفتہ بہ قسم کا ہے۔ اگر ڈاکٹر وزیر آغا کی ناک پر مکھی بیٹھ جائے تو وہ نہ صرف اس بے چاری کا سات پشتوں میں فی نکالتے ہیں بلکہ اس کی آئندہ نسلوں کے سر گودھا میں داخلے پر پابندی بھی لگا دیتے ہیں"۔

(خانہ بگوش کے قلم سے)

کہنے کا مطلب یہ کہ جہاں مزاح پھکڑ پن اور تہذیب سے گرے ہوئے اثرات کا حامل ہو کر اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے، اسی طرح طنز بھی جب مطلوبہ مقصد سے تجاویز کر جائے تو لکھاری کی گرم مزاجی اور بے قابو غم و غصے کی چغلی کھاتا ہے اور یوں وہ بالواسطہ پڑھنے والوں کو بدمزگی سے دوچار کرتا ہے!

میں نے حتی المقدور ایسی متنازعہ طنز و مزاح کی سرحد میں قدم رکھنے سے گریز کیا ہے!

عبدالقیوم (اٹک شہر)

10 جنوری 2010

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۞	ہمارے استاد	7	۞	فلم فلاپ ہونے کے بعد	83
۞	روح کی غذا	19	۞	ذکر کچھ دیباچہ نگاری کا	91
۞	نجومی نے قسمت دیکھی	26	۞	مجھے بچوں سے بچاؤ	96
۞	ہوئے پٹ کے ہم جو رسوا	33	۞	جھگڑا صحیح ترجمہ کرنے کا	103
۞	مشورے	44	۞	صرف بالغان کے لیے	107
۞	فوٹو..... رہے یادگار جو	50	۞	قرض لے اور شرمندہ نہ ہو	111
۞	کچھ بیمے کے حوالے سے	57	۞	کچھ بس اسٹاپ کے حوالے سے	116
۞	دیدہ دانستہ	63	۞	اشعارِ غالب میں زمانہ، حال کے اشارے	123
۞	گالیاں	69	۞	علم تحریر اور امراض محرر	134
۞	تبصرہ کے لیے	75	۞	اُدھار	138

Marfat.com

Marfat.com

ہمارے استاد

یادش بخیر! وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ہم طالب علم تھے۔ معلوم نہیں وہ کون سی گھڑی، دن اور تاریخ تھی، جب والد صاحب ہمیں دائیں کان سے پکڑ کر اسکول میں داخل کرآئے تھے۔ وہ تو ہمیں داخل کرا کے مطمئن ہو گئے لیکن ہماری معمول کی زندگی میں ہلچل سی مچ گئی۔ سارا سارا دن کھیلنا کودنا، فلمی گیت سننا اور پھر خود ٹائیلٹ میں گنگنانا، کھانا پینا اور آرام سے سونے کا عیش سب خواب وخیال ہو گئے۔ گھر آتے ہی حکم ہوتا، سبق یاد کرو۔ خوشخطی کی مشق کرو۔ اول آنے کے لیے زیادہ پڑھو لکھو۔ فضول دوستوں سے پرہیز کرو اور وقت ضائع مت کرو۔ ان ناروا پابندیوں کے باوجود بھی ہم درجہ بدرجہ آگے بڑھتے رہے لیکن اس دوران اکثر استاد صاحبان کے ہاتھوں اور لاتوں کے وقتاً فوقتاً ناپسندیدہ استعمال نے ہمیں اسکول سے بیزار اور بے چینی سے دوچار کر دیا تھا۔

جن حضرات پر اسکول کا سخت دور گزر چکا ہے، یقیناً وہ اس دور اور استاد صاحبان کی لاتوں، گھونسوں، تھپڑوں اور بید پٹائی وغیرہ کی تلخ لذت کو نہیں بھولے ہوں گے۔ تب ان کی مار بہت بری لگتی تھی، لیکن آج جب وہ گزرے وقت کی طرح آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور صرف ان کی خیالی تصویریں ذہن کے پردے پر جھلملا رہی ہیں تو عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ گزرے دنوں کی یادوں میں کتنی مٹھاس اور جاشنی ہوتی ہے، اس کا اندازہ تب ہوتا ہے جب ذہن ان پرانی یادوں کی قابل گرفت جزئیات کو سمیٹ کر یکجا کرتا ہے۔ آج ہمارے ذہن کی یہی کیفیت ہے، اسی لئے نوک قلم پر ان برگزیدہ ہستیوں کی مار پیٹ، سختیوں نوازشوں کا ذکر آ گیا ہے۔ تعلیمی سفر کی روداد، دراصل ان قابل احترام ہستیوں کے کردار کے متضاد پہلوؤں کا عکس، اور ہم طالب علموں کی جملہ کمزوریوں

Marfat.com

کا بیان ہے جنہیں لفظوں کی لڑی میں پوری تفصیل کے ساتھ پرونا تو مشکل ہے، البتہ تعلیمی دور کے جگر لخت لخت کے ان چیدہ چیدہ لمحات کو سمیٹنا ناممکنات میں سے نہیں، لہٰذا میں نے یہاں یہی کوشش کی ہے،

پہلی جماعت کے استاد جو پنجابی تھے، قد آور، سانولے، بارعب چہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ باریش بھی تھے۔ آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ جس لڑکے کو دیکھتے وہ سہم جاتا۔ وہ یہ تھی کہ ہم معصوموں کی وہ درگت بناتے تھے کہ آج بھی جب کبھی ان کی مار پیٹ اور لات گھونسے یاد آجاتے ہیں تو بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہیں۔ یعنی 'سر منڈاتے ہی اولے پڑے' والا محاورہ ہماری زندگی پر پہلی ہی جماعت سے فٹ بیٹھ گیا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے چند دنوں میں ہی تھپڑوں، لاتوں اور گھونسوں کی ابتداء ہوگئی جو ہم معصوموں کے لیے خاصی پریشان کن صورت حال تھی۔ استاد صاحب کا معمول تھا کہ جس لڑکے کو پچھلے دن کا سبق یاد نہ ہوتا، اسے بالوں سے پکڑ کر میز پر اس کا ماتھا اس وقت تک مارتے جب تک لڑکا دھاڑیں مار مار کر امی ابو کو مدد کے لیے پکارنے نہ لگتا!

جب ہم معصوموں پر یہ ظلم دن بدن بڑھنے لگا تو احساس ہوا کہ ہمارے انگریزی بالوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا ہے تو متعدد لڑکوں نے روتے بسورتے اور دل پر جبر کر کے اس خیال سے سر پر استرا پھروالیا کہ ممکن ہے اس طرح ظلم وستم سے بچ جائیں۔ لیکن افسوس یہ عقل مندی لڑکوں کے حق میں اور بری ثابت ہوئی۔ کیوں کہ اسکول کے باہر تو دلیپ کمار کٹ بالوں والے لڑکے گنجے سر والوں کو چپتیں مار مار کر حجام کا نام پوچھتے اور جب کلاس میں سبق یاد نہ ہوتا تو استاد صاحب پہلے تو گنجے سر پر مسکرا مسکرا کر چار چھ کرارے ہاتھ مارتے ہوئے مزا لیتے اور پھر رہی سہی کسر یوں پوری کرتے کہ دونوں کانوں سے پکڑ کر میز پر ماتھا ٹکراتے تو زیر عتاب لڑکے کو پورا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوتا۔ ہلکی ہلکی سسکیوں اور روں روں کا اثر ان پر جیسے نشہ سا طاری کر دیتا۔ ان کی مسکراہٹ مسلسل بڑھتی ہی چلی جاتی اور وہ بالکل ویسے ہی، جیسے پسندیدہ قوالی کی دھن چھڑنے پر 'حال' میں آنے والا جھومنے لگتا ہے، استاد بھی اسی انداز میں سر ہلا ہلا کر ہنستے مسکراتے

Marfat.com

اور متوقع زیرِ عتاب آنے والے لڑکوں کو بھی یوں گھور گھور کر دیکھتے کہ ہر لڑکا سہم کر نظریں جھکا لیتا بلکہ کچھ تو کانپنے بھی لگتے کہ اب آئی کہ تب آئی شامت!

دوسری اور تیسری جماعت کے استاد خان میر تھے جو کوہاٹ کے رہنے والے اور پٹھان تھے۔ چھریرے بدن کے خوبصورت، شریف النفس اور سریلی آواز کے مالک تھے۔ ہونٹ پتلے پتلے، سفید دانت موتیوں کی لڑی تھی۔ میں نے انہیں قہقہہ تو کیا گردن اٹھا کر زور سے ہنستے ہوئے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا، البتہ مخصوص انداز میں مسکراتے ضرور تھے۔ بات دھیمے لہجے میں کرتے، مشہور تھا کہ انہوں نے نوجوانی میں قیام پاکستان سے قبل ایک مسلمان سندھی لڑکی سے عشق کیا اور ناکام رہے۔ پھر عمر بھر شادی نہیں کی۔ وہ نمازی ہونے کے علاوہ تہجد گزار بھی تھے۔ راقم کی ان سے ملاقات، ان کے ریٹائر ہونے کے کچھ عرصے بعد ہوئی تھی۔ تب انہوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے گاؤں، جو بنوں میں تھا، واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن پھر انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور یہیں بالآخر کراچی میں ابدی نیند سو گئے۔

استاد خان میر کے بال کنپٹیوں پر یوں مڑے ہوتے جیسے مچھلی پکڑنے کا ہک ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ قراقلی ٹوپی پہنتے تھے۔ وہ بہت کم مارتے تھے لیکن جب کسی لڑکے کو سزا دینی ہوتی تو اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے اور دھیمے لہجے میں طالب علم کی کوتاہی کی نشاندہی کر کے ہلکی سی چپت منہ پر مار کر اسے بنچ سے باہر لاتے اور پھر چار چھ کراری لاتوں سے خوب خبر لیتے۔ راقم کا بھی دو سالوں میں دو تین بار بھرپور لاتوں سے پالا پڑا تھا اور ایک مرتبہ تو بلیک بورڈ کے نیچے جا گرا تھا۔

استاد خان میر حیرت انگیز طور پر غیر حساس تھے اس لئے کہ کسی بھی لڑکے کو لاتیں رسید کرنے بعد تھوڑی دیر میں ٹہلتے ہوئے گنگنانے لگتے تھے۔ نہ ہنسنے کے باوجود ان کی ہلکی ہلکی نیلی آنکھوں میں مسکراہٹ کھیلتی نظر آتی تھی۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب لڑکوں کو کام دے دیتے تو نگرانی کے لیے آہستہ آہستہ کمرے میں ٹہلنے کے انداز میں دونوں ہاتھ پیچھے باندھے گھومتے اور دھیمی سریلی آواز میں کوئی غزل گنگنانے لگتے تھے۔

Marfat.com

اکثر لڑکوں کی توجہ بٹ جاتی تھی۔ وہ اتنے جاذب نظر تھے کہ مجھے آج بھی محسوس ہوتا ہے کہ ان کو کھو کر وہ لڑکی ذہنی خلفشار کا شکار ضرور رہی ہوگی!

چوتھی جماعت کے استاد، جن کا نام سیف علی شاہ تھا، لیکن لالہ جی کے نام سے مشہور تھے، اور جو گورنمنٹ پرائمری بوائز اسکول کیماڑی کے ہیڈ ماسٹر تھے، پنجابی تھے۔ کسی لڑکے سے پوچھا جاتا کہ کس اسکول میں پڑھتے ہو تو وہ کہتا: ''لالہ جی کے اسکول میں''۔ ضعیف ہونے کے باوجود نہایت ہنس مکھ اور ہمدرد انسان تھے۔ دانت قریب قریب سارے گر چکے تھے۔ عینک استعمال کرتے تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے سانولی رنگت میں گہرائی آچلی تھی اور ہاتھوں میں خفیف سا رعشہ تھا جو عام شخص محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ بے حد محنتی اور ذہین ہونے کے علاوہ رحم دل بھی بہت تھے۔ جس سال ہم چوتھی میں گئے، اس وقت انہیں پڑھاتے ہوئے چالیس بیالیس سال ہو چکے تھے۔ وہ ٹیبل پر رکھے کاغذوں وغیرہ کو دیکھ رہے ہوتے لیکن کہیں حرکت یا کھسر پھسر ہوتی تو بغیر گردن اٹھائے، عینک کے اوپر سے اس جانب دیکھ کر جائزہ لیتے اور کہتے، میں دیکھ رہا ہوں، لڑکے سہم کر گپ شپ اور ہنسنا مسکرانا بھول کر سامنے پڑی کتاب پر نظریں جما لیتے۔ وہ بید سے کم مارتے تھے لیکن پھر بھی نالائق لڑکے کو چھیڑ چھاڑ کے انداز میں سر کمر اور ہاتھ پر بید لگاتے تھے۔ تاہم ان کی عجیب مار تھی کہ جب کسی لڑکے کو چوری چھپے شرارت یا مذاق کرتا دیکھتے اور لڑکا گھبرا کر الٹا سوال کرتا ''لالہ جی! میں نے کیا کیا ہے'' تو لالہ جی اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی لڑکے کی چھاتی یا پیٹ میں گھونپتے ہوئے پنجابی میں کہتے ''تو نے وینگڑو وتیچے نے'' (تم نے بینگن بیچے ہیں) اگر کوئی لڑکا سزا سے بچنے کی کوشش کرتا تو بید سے اس کی مرمت کرتے تھے، تاہم بید بھی آہستہ مارتے تھے۔

چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد ہم ایک نئے سفر کے آغاز کے لئے گورنمنٹ سیکنڈری اینڈ ہائی سکول جیکسن بازار، کیماڑی میں پانچویں جماعت میں داخل ہوئے۔ زندگی کا یہ سفر پہلے سے زیادہ دلچسپ اور طویل تھا۔ اب ہم کچھ سمجھ دار ہو گئے تھے۔ خط پڑھنے اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں خط بھی لکھنے لگے تھے۔ اس لئے والد نے خط ہم

Marfat.com

سے لکھوانے شروع کر دیئے تھے اور ہمیں پڑھا لکھا تسلیم کیا جانے لگا تھا۔ آس پڑوس کے لوگ بھی خط لکھوانے کے لیے ہمیں ترجیح دینے لگے تھے اور یوں ہمیں ''بابو صاحب'' جیسے محترم نام سے مخاطب کیا جانے لگا تھا۔

اس دوسرے سفر کی ابتداء میں ہی ایک ایسے استاد صاحب سے پالا پڑا جو نہایت محنتی لیکن مزاجاً سخت بھی تھے۔ ہنسنا تو درکنار، شاید مسکراہٹ سے بھی آشنا نہیں تھے۔ ہمارے یہ استاد فیض محمد تھے جو ڈرائنگ کے سوا ہر مضمون ہمیں پڑھاتے تھے۔ یہ مہاجر تھے۔ راقم اپنی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ یہی استاد فیض محمد تھے۔ رنگ سانولا اور گھٹے ہوئے جسم اور مناسب قد وقامت کے مالک تھے۔ کلاس میں ہر وقت پان چباتے رہتے تھے۔ پڑھائی شروع ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد انہوں نے کلاس میں دوزخ اور جنت الگ الگ بنا دی تھی وہ اس طرح کہ جو لائق لڑکے تھے (راقم اس گروپ میں کچھ عرصہ بعد شامل ہوا تھا) ان کو اپنے ہاتھ کے دائیں طرف (جنت) اور جو نالائق تھے، ان کو بائیں طرف (دوزخ) کے بنچوں پر بٹھا دیا تھا۔ بیچ میں راستہ سا بن گیا تھا اور وہ اکثر درمیان میں ٹہل کر لڑکوں کو کام کرتا دیکھا کرتے تھے۔ اگر کوئی دوزخی لڑکا ہوم ورکس یا کلاس کا کام کرنے میں کوتاہی کرتا، شرارت یا مذاق کرتا تو اسے آدھ آدھ گھنٹہ کان پکڑائے رکھتے اور پھر بید پٹائی کے بعد ادھورا کام پورا کرنے کا وقت دے دیتے۔ اگر کوئی جنتی لڑکا شرارت، مذاق یا نالائقی کا مظاہرہ کرتا تو بینچ پر کھڑا رکھتے اور پھر اسے کھڑے کھڑے پیٹھ پر زوردار دو چار بید لگا کر چھوڑتے۔ یوں راقم نے سال بھر میں بینچ پر کھڑا رہ کر بیدوں کی مار تو تھوڑی بہت کھائی، البتہ کان پکڑنے کے تجربے سے بھی تب ہی محفوظ ہوا جب جنت مکانی بنا۔ اکثر یوں ہوتا کہ جب کوئی دوزخی لڑکا اپنی قابلیت بڑھا لیتا تو پھر اسے جنتی بنا دیا جاتا اور ایسا اکثر ہوا۔ کیونکہ فیض صاحب کی سختی کی وجہ سے لڑکے محنت کرتے تھے۔ جب کوئی کسی لڑکے کو آواز دیتا ''ابے او دوزختی ادھر آ'' تو وہ جل بھن جاتا لیکن احتجاج نہ کر سکتا۔ یوں آہستہ آہستہ بائیں طرف، تھوڑے سے لڑکے رہ گئے اور ان میں سے اکثر فیل بھی ہوئے تھے!

Marfat.com

ڈرل کا پیریڈ آتا تو استاد فیض محمد ہمیں گراؤنڈ جو تقریباً دو فرلانگ پرے تھا لے جا کر اس بری طرح سے اور سخت ڈرل کراتے کہ ہم سب لڑکوں کے پسینے چھوٹ جاتے اور گرمی میں بھی بھیگے کپڑوں کی وجہ سے ٹھنڈ سے بدن کپکپانے لگتا۔ یہی جی چاہتا کہ کوئی بہانہ حیلہ کر کے ڈرل سے جان چھڑالی جائے یا پھر اسکول چھوڑ چھاڑ کر گھر سے بھی بھاگ جائیں۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ حال ہوگیا کہ ہم ڈرل کے اس قدر عادی ہو گئے کہ جیسے 'آبیل مجھے مار' کی دعوت زبان پر رہنے لگی اور ہم خود ڈرل پیریڈ کا بے چینی سے انتظار کرنے لگتے کہ جسم میں چستی اور پھرتی محسوس ہونے لگی تھی۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ چلتے چلتے ڈرائنگ ماسٹر فیض الحسن صاحب اور ڈرل کے نقوی صاحب کا تذکرہ کرتا چلوں۔ اول الذکر بانچویں سے لے کر میٹرک تک سب کلاسوں کے مشترکہ ڈرائنگ ماسٹر تھے۔ جبکہ ڈرل کے استاد چھٹی جماعت سے دسویں تک ہمارے سروں پر خطرہ بن کر منڈلاتے رہے۔ دونوں مہاجر تھے۔ دونوں عینک لگاتے تھے اور ڈیل ڈول اور قد و قامت میں بھی کافی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ انداز گفتگو تو دونوں کا تقریباً یکساں تھا، لیکن طبیعت میں واضح فرق تھا ڈرائنگ کے استاد جب کسی لڑکے کو شرارت کرتا دیکھتے تو دھمکی دیتے 'ایک درجن سے کم بید نہیں لگاؤں گا'۔ لیکن وہ جو کہتے اسے عملی جامہ نہیں پہناتے تھے یعنی درجن سے کم ہی بید کی سزا دیتے تھے۔ اور اس احتیاط سے کہ لڑکے کا ہاتھ نہ دکھے کہ پھر وہ ڈرائنگ نہ کرنے کا بہانہ تراش لے گا کیونکہ انہیں ڈرائنگ سے جنون کی حد تک پیار تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ہر لڑکا خوب محنت کرے۔ کام کم دیتے لیکن تنقیدی نظروں سے ہر لڑکے کی ڈرائنگ کا جائزہ لیتے اور مناسب مشورے دیتے۔ ہمت افزائی کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ ہمیشہ شیروانی پہنتے اور بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔

اس کے برخلاف ڈرل کے استاد نقوی صاحب تھے جو کسی لڑکے کو ڈرل میں سست پاتے یا شرارتی انداز میں ڈرل کرتا دیکھتے تو کڑک کر کہتے: 'بے گنے بید لگاؤں گا' اور واقعی وہ بے گنے بیدوں سے پٹائی کرتے تھے۔ پٹنے والے کو تو چھوڑیئے ہم میں سے

Marfat.com

کوئی لڑکا کبھی شمار نہ کر سکا کہ کتنے بید مارتے تھے۔ مسلسل بید مارتے اور جسم کے کسی حصے کی تخصیص نہیں تھی۔ ہاتھ، پاؤں، منہ، پیٹھ، گردن، کوئی جگہ نہیں دیکھتے تھے، بس اس وقت تک، شاید آنکھیں بند کر کے پیٹتے تھے، جب تک انہیں رحم نہ آتا یا پھر وہ ہانپ نہ جاتے! پھر گراؤنڈ دور ہونے کی وجہ سے وقت کی کمی کے پیش نظر کبھی کبھار ہمیں ایک کشادہ سڑک کے بیچوں بیچ، کیاڑی کے پرانے کسٹم کوارٹرز کے سامنے لائن میں کھڑا کر کے ڈرل کراتے تھے۔ اس زمانے میں کبھی کبھار ہی کوئی موٹر کار یا ٹرک وغیرہ وہاں سے گزرتا تھا ورنہ اکا دکا سائیکل سوار ہی نظر آتے تھے۔

ایک دن سخت گرمی میں ڈرل کرتے کرتے راقم نے کہا 'سر! اگر کسی تیز رفتار کار یا ٹرک نے ہمیں کچل دیا تو.....'۔ بس اتنی سی بات پر غصہ میں گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے لائن سے کھینچ کر باہر لے گئے اور جو بید سے پٹائی شروع کی تو مجبوراً مجھے جان بچانے کے لیے لڑکوں کی اوٹ کا سہارا لینا پڑا۔ اور اس کوشش میں چند بید ان لڑکوں کو بھی پڑے بہر حال اس 'بے گنے بید' لگنے کے نتیجے میں مرے ہاتھوں اور پیٹھ پر نیل پڑ گئے تھے!

جب ہم چھٹی جماعت میں گئے تو اسکول کے سخت ترین استاد جان محمد سے پالا پڑا۔ وہ پنجابی تھے۔ پستہ قد ہونے کے علاوہ خوب موٹے تازے تھے۔ جب کلاس میں آتے تو لڑکوں کو ان کا پھولا ہوا پیٹ دروازے سے پہلے نظر آتا تو سارے لڑکے سہم کر چپ سادھ لیتے۔ وہ حساب پڑھانے میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ ویسے سائنس، ڈرائنگ اور ڈرل کے سوا ہمیں دوسرے سارے مضامین پڑھاتے تھے۔ گھر کا کام اتنا زیادہ دیتے کہ چالیس لڑکوں میں سے بمشکل چار چھ لڑکے ہی کر کے لاتے تھے۔ کلاس میں ہوم ورک دینے سے پہلے کہتے: ''اگر کوئی سوال سمجھ میں نہ آیا تو کل پوچھ لینا'' لیکن جب دوسرے دن ڈرتے ڈرتے کوئی لڑکا پہل کر کے کہتا کہ فلاں فلاں سوال کا جواب نہیں آتا تو پہلے تو کان پکڑواتے، پھر دو چار منٹ بعد بالوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور بید سے پٹائی کے بعد سوال سمجھا دیتے تھے۔ اس ڈر سے عموماً لڑکے کچھ پوچھنے سے گریز کرتے تھے۔ ہم میں سے اکثر لڑکے صبح سویرے اسکول کی بلڈنگ کے نیچے ایک جگہ جمع ہو کر سوالات حل

Marfat.com

کرنے اور اکثر دوسرے کی نقل مار مور کر یا پھر حساب سے جواب دیکھ کر عمل کر کے ہوم ورک پورا کر کے کلاس میں جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لڑکا ہوم ورک پورا نہ کر سکتا وہ غیر حاضر رہتا اور جب دوسرے دن کلاس میں آتا تو جان محمد صاحب اس کی جی بھر کر پٹائی کرتے! یہی وجہ تھی کہ آدھی سے زیادہ کلاس سالانہ امتحان میں حساب میں فیل ہوگئی تھی۔ راقم الحروف بھی رعایتی نمبروں سے پاس ہوا تھا۔

اس سلسلے میں ایک مرتبہ لطیفہ بھی ہوا تھا۔ کلاس کے سب سے نالائق لڑکے، جس کا نام صابر تھا، اور وہ بذریعہ کشتی منوڑا جزیرے سے سفر کر کے کیماڑی پڑھنے آتا تھا، کو استاد جان محمد نے مسلسل ہوم ورک نہ کرنے کی عادت سے تنگ آ کر پہلے تو خوب بید سے پیٹا اور پھر غصے میں لات جو ماری تو وہ ڈر کر پھرتی سے کونے میں پڑے بڑے بلیک بورڈ کے نیچے جا گھسا۔ اب استاد اسے نیچے سے نکلنے کو کہہ رہے ہیں اور وہ دبکا بیٹھا ہے۔ موٹے اتنے تھے کہ جھک کر لڑکے کو گھسیٹ کر نکال نہیں سکتے تھے لہٰذا پیچ و تاب کھاتے ہوئے 'باہر نکل گدھے۔ الو کے پٹھے' وغیرہ کا ورد کرتے کرتے ہانپ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ لڑکا دبکا بیٹھا رہا۔ مایوس ہو کر جب استاد صاحب کسی کام سے باہر نکلے تو صابر پھرتی سے بلیک بورڈ کے نیچے سے نکلا اور اپنا بستہ چھوڑ کر کلاس سے بھاگ گیا اور پھر اس دن واپس کلاس میں نہیں آیا تھا۔

اب جب کبھی ہم کسی سے 'چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا' والا محاورہ سنتے ہیں تو ہمیں دودھ تو نہیں البتہ جان محمد استاد ضرور یاد آجاتے ہیں!

ساتویں جماعت کے سائنس کے استاد کرم صاحب تھے جو مہاجر تھے۔ دبلے پتلے، قد آور، تیس بتیس سال کی عمر، سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ پڑھانے کے معاملے میں اتنے سخت تھے کہ چاہتے تھے کہ ہر لڑکا یکساں قابلیت کا حامل بن جائے۔ وہ نالائق لڑکے کو برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اگر کسی لڑکے کو شرارت، مذاق کرتا دیکھتے یا کسی کو گیس وغیرہ کا فارمولا یاد نہ ہوتا تو آہستہ سے اس کے قریب جا کر اتنے زور سے منہ پر تھپڑ رسید کرتے کہ پٹنے والے کی آنکھوں کے سامنے دن میں تارے ناچ اٹھتے تھے۔ اس کا

Marfat.com

تجربہ ہمیں ایک بار ہوا جو کافی تلخ تھا۔

استاد کرم صاحب بہت کم مسکراتے تھے لیکن کسی کو کلاس میں ہنسی مذاق کرتا دیکھتے تو آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ان کے پیریڈ میں لڑکے یوں چپ سادھے رہتے جیسے انہوں نے سخت مارشل لاء لگا دیا ہو۔تاہم پڑھاتے بہت محنت سے تھے اور وقت برباد نہیں کرتے تھے۔سوال پوچھنے پر تسلی بخش جواب سے طلباء کو مطمئن کرتے تھے اور دوسروں کی حوصلہ افزائی کہ ''جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ بے جھجک پوچھ لیا کرو تا کہ پٹائی سے بچے رہو۔''

آٹھویں جماعت کے استاد احسان صاحب تھے جو مہاجر تھے اور شاید دہلی کے رہنے والے تھے۔ان کی شکل وصورت خطرناک حد تک سرسید احمد خان سے ملتی جلتی تھی۔ انہی کی طرح سفید دراز داڑھی تھی۔رنگ گورا تھا۔شاید سرسید کی محبت میں اپنی شکل اس طرح بنالی تھی۔ایسے شریف النفس انسان اور ہمدرد میں نے زندگی میں صرف چند ہی دیکھے ہیں۔اکثر مسکراتے رہتے اور پڑھاتے ایسے دوستانہ انداز میں تھے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ہمیں محنت کرا رہے ہیں۔ٹیچری کرتے ہوئے انہیں تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔وہ کسی لڑکے کو نہیں مارتے تھے اس لئے ہر لڑکا ان کی عزت کرتا اور محبت سے دیکھتا تھا۔ہمارے زمانے میں ہر استاد کے ہاتھوں میں مولا بخش یعنی بید ضرور ہوتا تھا، لیکن احسان صاحب واحد استاد تھے جن کے ہاتھ میں کوئی کتاب ہوتی ، بید نہیں۔اردو کے استاد تھے۔نثر سے زیادہ شعر وشاعری میں شغف تھا۔اکثر اعلیٰ قسم کے مزاحیہ اشعار سنا کر کلاس کو کشت زعفران بنا دیتے تھے۔ان کا سنایا ہوا یہ شعر آج بھی میرے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے!

کل انہیں کاکوس میں ناقوس بجاتے دیکھا
آج مسجد میں ملا ہی بنے بیٹھے ہیں

اردو زبان کے سلسلے میں یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے مخصوص انداز اور لب ولہجے میں اردو بولتے ہیں۔جیسے ایک ان پڑھ پٹھان کی اردو متبسم

Marfat.com

کرتی ہے۔اس طرح بلوچی یا سندھی کا لب ولہجہ مسکراہٹ آشنا کرتا ہے۔لیکن کراچی کے جس پسماندہ علاقے یعنی کیماڑی سے ہمارا تعلق تھا وہاں اردو زبان بولنے کا انداز دلچسپ بھی تھا اور ہنسی آمیز بھی ۔ مثلاً سلیس اردو میں تو آپ کہتے ہیں 'میں جارہا ہوں۔بس میں ابھی آرہا ہوں وغیرہ' لیکن ہمارے علاقے کی اردو میں اس کو یوں بولا جاتا تھا 'ہم جاتا پڑا ہے.....اڑے ہم ابھی آتا پڑا ہے۔ہم کھاتا پڑا ہے۔ہم سوتا پڑا ہے۔وہ ہنستا پڑا ہے۔وہ گاتا پڑا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔لفظ 'پڑا' کا ہر جگہ استعمال ہمارے علاقے کا طرہ امتیاز تھا۔اس سے کسی حد تک چھٹکارا دلانے والے استاد احسان صاحب تھے احسان صاحب نے شروع شروع میں ہم لڑکوں کی اردو کا یہ مخصوص لب ولہجہ سنا تو وہ محظوظ ہوئے لیکن تنقید نہیں کی۔لیکن پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے ہمارے لب ولہجہ کی یوں تصحیح کی: ہم جاتا پڑا ہے..... جب تم جارہے ہو تو پڑے کہاں ہو.....تم تو کھڑے ہو۔لہٰذا یوں بولا کرو۔ ہم جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یوں ہے۔ میں جارہا ہوں۔ میں ابھی آرہا ہوں۔وغیرہ وغیرہ۔اس طرح احسان صاحب نے کچھ عرصے میں ہماری بچپن کی ٹیڑھی میڑھی اردو زبان کی کسی حد تک اصلاح کردی۔لیکن جب مذاق کے موڈ میں ہوتے تو کسی سے یوں پوچھتے: 'تم کدھر سے آتا پڑا ہے'۔تو سارے لڑکے کھلکھلا کر ہنس پڑتے!

نویں اور دسویں جماعت میں ہمارا واسطہ مزاحیہ طبیعت لیکن غصیلے استاد مسلم صاحب سے پڑا جو مہاجر تھے۔وہ دنیا کی تاریخ کے مسلم الثبوت استاد تھے انہیں دنیا کی تاریخ زبانی یاد تھی۔حتیٰ کہ وہ اکثر اوقات چھوٹے موٹے واقعات کی ماہ وسال کی نشاندہی میں بھی غلطی نہیں کرتے تھے۔قد آور لیکن کمزور صحت کے مالک تھے۔رنگت سانولی تھی اور نظر کی عینک استعمال کرتے تھے۔سنجیدہ ہوتے تو لگتا کہ مسکراہٹ سے کوسوں دور ہوں۔ جب وہ ہنسی مذاق کے موڈ میں ہوتے تو خوب مزیدار باتیں کرتے اور کسی بھی سوال کا جواب تفصیلاً دیا کرتے تھے۔ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ایک مرتبہ ایک شرارتی لڑکے نے ذاتی سا سوال کیا۔'سر! سنا ہے آپ کا صرف ایک ہی بیٹا ہے جسے آپ خود نہیں پڑھاتے بلکہ ان کے لیے ماسٹر رکھا ہوا ہے۔اس کی وجہ؟ سوال سن کر مسلم صاحب پہلے تو

Marfat.com

سنجیدہ ہوئے۔سوال کرنے والے لڑکے کوغور سے دیکھااوروہ سمجھا کہ آئی شامت۔لیکن مسلم صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا''ہاں!میرا صرف ایک بیٹا ہے۔جنگل میں ایک ہی شیر ہوتا ہے اور میں اپنے ننھے شیر کواس لئے نہیں پڑھاتا کہ اگر غصے میں آ کر اسے بوڑھا شیر پیٹنے لگ گیا تو ننھے شیر کو چھڑانے والا کوئی نہ ہوگا!'۔لڑکوں کی دبی دبی ہنسی نکل گئی ،اس لئے نہیں کہ لڑکا پٹائی سے بچ گیا، بلکہ سوال کا مسلم صاحب نے عجیب سا جواب دے کر سب کو حیرت زدہ کر دیا۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ مسلم صاحب مسلمان بادشاہوں کی غلطیوں، حماقتوں اور کوتاہیوں پر مختصر سا لکچر دے ڈالتے۔وہ بتاتے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے چلے آئے ہیں۔زمانہ بدل جاتا ہے لیکن مسلمان سوچتے ہی رہتے ہیں۔ اس عرصہ میں وقت کہاں سے کہاں نکل چکا ہوتا ہے۔ وہ رقص وسرود،شعروشاعری، عیاشی،آپس کی دشمنی اور طوائفوں کو مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب گردانتے تھے!وہ پاکستان بننے کو ایک انوکھا واقعہ قرار دیتے اور کہتے کہ اگر ہمیں قائداعظم جیسا صاحب کردار،ایماندار،اور جرأت مند لیڈر نہ ملتا تو غیر منقسم ہندوستان میں رہ جاتے۔تب بھی مسلمان معمولی نقصان میں رہتے۔کیونکہ مسلمان اپنے اکھڑپن کی وجہ سے دب کر نہ رہتے جبکہ ہندو مصائب کی صورت میں گھبرا جاتے ہیں۔ وہ پاکستان کو نعمت کہتے اور کہا کرتے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ملک دنیا کی عظیم طاقت بن جائے بشرطیکہ ہمارے حکمران اپنی گزشتہ مسلم تاریخ کی ناکامیوں سے سبق حاصل کریں!

مسلم صاحب ڈبل ایم اے تھے۔کئی درسی کتب لکھ چکے تھے۔تاریخ کے علاوہ انگریزی بھی پڑھاتے تھے۔سنجیدہ،سیدھے سادھے اور عجز وانکسار کا پتلا تھے۔لیکن جب غصے میں آجاتے تو پوری کلاس پر برس پڑتے،تم سب نالائق ہو،کیوں والدین کے پیسے برباد کرتے ہو۔بہتر ہے محنت مزدوری کرو اور کماؤ،کبھی کبھار انتہائی غصے میں آتے تو کہتے 'میں لکھ دیتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لڑکا میٹرک میں پاس نہیں ہوگا'۔

اگر ان کا کسی لڑکے کو سزا دینے کا موڈ ہوتا تو لڑکے کے قریب جا کر اس کے

Marfat.com

سامنے ادھر اُدھر کی رکھی ہوئی کتاب یا کاپی اٹھا کر منہ یا سر پر دے مارتے کتنے ہی لڑکوں کی کتابیں اس طرح مار مار کر پھاڑ چکے تھے۔ تاہم غصہ فرو ہونے پر چٹکلوں اور لطیفوں سے پچھلی بدمزگی کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرتے اور عموماً کامیاب رہتے! میرؔ نے شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا تھا:

پیدا کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

.....☆☆☆.....

Marfat.com

روح کی غذا

موسیقی کو بجا طور پر روح کی غذا کہا جاتا ہے!

پکے گانوں کی فنی باریکیوں اور لوازمات سے عدم واقفیت کے باوجود بھی ہم نے اکثر سامع حضرات کو جھومتے جھامتے آہستہ آہستہ سر ہلاتے، آنکھیں مٹکاتے بلکہ کچھ کو تو الگ سے پرے بیٹھی قبول صورت خواتین کو گھورتے گھارتے ہوئے یوں آہ بھرتے اور واہ واہ کا ورد کرتے دیکھا ہے جیسے وہ بے خودی کے عالم میں کلام اور آواز کے حسین سنگم سے متاثر ہو کر گائیک کو اس کی رسیلی و سریلی آواز پر بے ساختہ داد دے رہے ہوں۔ ویسے تو ہمیں بھی موسیقی سے گہرا لگاؤ ہے لیکن ہم ایسی ویسی حرکتوں سے خود کو آلودہ نہیں کرتے۔ اگر کسی اللہ کی پیاری اور والدین کی دلاری پر نظر پڑ جائے تو داد گائیک کو دیتے وقت خدا کی اس حسین مخلوق کو پاکیزہ نظروں سے دیکھتے ہوئے 'سبحان اللہ' اور 'واہ کیا بات ہے' جیسے بے ضرر الفاظ ہمارے ہونٹوں سے پھسل پھسل جاتے ہیں۔ اگر وہ شرما جائے تو ہمارا سیروں خون بڑھ جاتا ہے! تب ہم موسیقی کو روح کی غذا کے ساتھ ساتھ جمالیاتی حس تسکین کے لیے بھی غذا تصور کرنے لگتے ہیں!!

فن موسیقی سے ایسی شیفتگی کی بدولت ہم جہاں کہیں بھی روح کی غذا کا غلط استعمال دیکھتے ہیں تو دل ہی دل میں خوب کڑھتے ہیں لیکن کسی کے شوق میں مداخلت بے جا نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم نے اکثر گلی کوچوں میں بچوں کو خالی ٹن کے ڈبوں سے موسیقی کی تانیں اڑاتے اور بے ڈھنگے انداز میں گاتے سنا اور دیکھا ہے، جو شاعری اور موسیقی کی توہین کے مترادف ہونے کے باوجود ہم چپ رہتے ہیں۔ کیونکہ ہمرا مشاہدہ ہے کہ ناسمجھ بچے ہر گلی کوچے کو پروجیکشن ہال میں تبدیل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن مرزا شگفتہ دوسرے زاویئے سے بچوں کے شوق گائیکی کو دیکھتے ہیں۔ بقول ان کے بچوں میں گانے بجانے کا ذوق وشوق پیدا کرنے میں ممنوعہ Banned فلمی نغمے مؤثر کردار ادا کرتے ہیں، جو کم تعلیم یافتہ گھرانوں میں چوری چھپے اور نئی روشنی کے پروردہ گھرانوں میں مع فیملی عام طور پر ذوق وشوق سے سنے اور ٹی وی پر دیکھے جاتے ہیں۔ بچوں میں اتنی تمیز تو ہوتی نہیں کہ گلا بے سرا پایا ہے تو گانے سے اجتناب کریں۔ ان کے جو جی میں آتا ہے گھر، راستے یا گلی میں موج میں آکر تانیں اڑانی شروع کر دیتے ہیں اور دوسروں کے جذبات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے!

مرزا شگفتہ کی جھڑپیں اکثر گلی کوچوں میں گائیک بچوں سے ہوتی رہتی ہیں۔ وہ ان کی دکھتی رگ کو جانتے ہیں، لہٰذا جونہی شگفتہ کو دیکھتے ہیں اسے چڑانے اور بلڈ پریشر بڑھانے کے لیے جو جی میں آتا ہے، بے سرتال کے گانا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم نے اکثر انہیں سمجھایا ہے کہ بچوں سے ٹکر لینا دانائی نہیں کہ ان سے تو شیطان نے بھی پناہ مانگی تھی لیکن وہ کب کسی کی اچھی رائے مانتے ہیں۔ عموماً ہم نے انہیں گائیک / موسیقار بچوں کی ٹولی کو تتر بتر کرنے کے لیے گلیوں میں تعاقب کرتے اور غیر مہذب انداز میں ہلکے پھلکے نازیبا الفاظ کا استعمال کرتے دیکھا اور سنا ہے۔ بچوں کا پیچھا کرنے سے ان کی سانس اکھڑ جاتی ہے، ہانپتے کانپتے بیٹھ جاتے ہیں۔ بے تحاشا کھانسنے کے بعد سانس کو درست کرتے ہیں اور پھر بچوں کو ڈرانے دھمکانے کا شغل شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی برداشت سے باہر ہے کہ ننھے گائیک اور موسیقار، ان کے سامنے فن موسیقی کی توہین کریں اور وہ بھی ٹی وی پر بے سروپا اور بے سرتال کے حامل، غیر معیاری آزاد شاعری کو بے ڈھنگے انداز میں ناچتے گاتے دیکھ کر دیگر بے حس لوگوں کی طرح خاموشی سے سب کچھ برداشت کریں۔ اس ناطے ہمیں بھی وہ موسیقی دشمن سمجھتے ہیں کہ ہم شریر بچوں کو راہ راست پر لانے کے لیے ان کا ہاتھ نہیں بٹاتے، صرف دانت پیس کر رہ جاتے ہیں۔ مرزا شگفتہ اکثر گلہ کرتے ہیں کہ اگر تم میرا ساتھ دیتے تو آس پاس کے لائق تک بند اور موسیقی کی ابجد تک سے بھی ناواقف بچوں کو ہم دونوں راہ راست پر لا سکتے تھے اور فن موسیقی اور

Marfat.com

گائیکی کی بے لوث خدمت کر کے ایک نہ ایک دن اپنی حکومت سے پرائڈ آف پرفارمنس ہتھیا سکتے تھے لیکن یہ کام اکیلے میرے بس کا نہیں!

ہم نے دلیل دی: ''ہم کوئی موسیقار ہیں جو بچوں کو سدھارنے کا ٹھیکہ لیں۔'' بگڑ کر بولے۔ اگر تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تو یہ تو کر سکتے ہو کہ میری بجائے تم ان کو بے سری تانیں اڑانے سے باز رکھنے اور انہیں تتر بتر کرنے کے لیے ان کی دوڑیں لگواتے۔ تمہیں تو ویسے بھی بچپن ہی سے اسکول کی پڑھائی سے اور والد کے لات، گھونسے کھانے کے ڈر سے بھاگنے دوڑنے کی پریکٹس ہے! ہم نے اپنا دفاع کیا۔ ان نالائقوں کو کوئی نہیں سدھار سکتا۔ بھئی شگفتہ! البتہ والدین پٹائی اور لاتم گھوسم سے ان کو راہ راست پر لانا چاہیں تو کامیابی ممکن ہے!

بگڑ کر بولے۔ ہاں! تمہارا ذہن تخریبی تجاویز پیش کرنے میں بڑا چاق و چوبند ہے۔ والدین سے معصوم بچوں کو بے رحمانہ انداز سے پٹوانا..... کچھ شرم کرو یار! ہم نے مطمئن لہجے میں کہا اسی لئے تو ہم تمہاری طرح بچوں کے شوق موسیقی و گائیکی میں مداخلت نہیں کرتے۔ خواہ مخواہ کی تمہاری طرح دردسری مول نہیں لیتے! ہمارا طنزیہ جواب سن کر شگفتہ خفا ہو کر منہ لٹکا کر چل دیئے۔

ایک دن دوپہر کے وقت شگفتہ قیلولہ فرما رہے تھے کہ ساتھ کے کمرے سے گانے کی آواز آئی۔

یارو مجھے معاف رکھو، میں نشے میں ہوں
اب جام دو تو خالی ہی دو میں نشے میں ہوں

شگفتہ نے کان لگا کر سنا تو آٹھ نو سالہ پڑھائی لکھائی میں، ان کے نقش قدم پر گامزن نالائق صاحبزادہ کی آواز کا دھوکا ہوا۔ آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا تو لاڈلے کو عجیب حالت میں پایا۔ وہ بستر پر دیوار کے سہارے، ٹانگیں آسمان کی سمت اٹھائے یعنی سر کے بل 'میں نشے میں ہوں' کی تانیں بڑی بے سری آواز میں اڑا رہا تھا۔ چند لمحے تو اس کی بے سری آواز کو برداشت کیا، لیکن جب دیکھا کہ وہ بے سرے گائیک کی

Marfat.com

طرح ڈوب کر مسلسل گا رہا ہے تو کھنکار کر بیٹے کو متوجہ کیا۔ لاڈلے نے اچانک باپ کو سامنے پایا تو کانپنے لگا۔ پوچھا۔ بیٹھا! یہ گانا کون شرابی گا رہا ہے؟ وہ کانپتی آواز میں بولا۔
''کوئی نہیں اباجی! میں تو ورزش کر رہا ہوں۔''

بدن کی ورزش کر رہے ہو یا حلق کی، شگفتہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگے تا کہ اچانک دبوچ کر، فن گائیکی کی توہین کرنے کی پاداش میں دو چار کرارے تھپڑ رسید کریں لیکن لاڈلے نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے پلنگ سے چھلانگ لگائی اور چشم زدن میں کمرے سے یوں غائب ہو گیا کہ شگفتہ اس کی پھرتی پر عش عش کر اٹھے!

ہم نے ایک دن شگفتہ کو یاد دلایا کہ جب تم کالج میں ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے تو اپنے آپ کو طلعت محمود ثانی کہا کرتے تھے۔ ان کی غزلیں گا کر دوستوں کو متوجہ کرنے کی ناکام کوششیں کیا کرتے تھے۔ تب تمہیں یہ گلہ تھا کہ لوگ طلعت محمود کی آواز کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ آواز اور موسیقی یکجا ہو کر اس کی آواز کو چار چاند لگا دیتے ہیں جبکہ میں اکثر ٹیبل پر تھاپ دے کر پھلوریا اسٹیل کی تھالی کو ڈھولک کے طور پر استعمال کر کے سریلی آواز میں گاتا ہوں تو سننے والے بے سرو پا موسیقی کی وجہ سے میری مسحور کن آواز پر دھیان نہیں دیتے۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں پیارے! پھر بھی اگر مجھے چانس ملتا تو آج پاکستان کے گاؤں گاؤں، شہر شہر اور گلی گلی میں نادان بچے میری غزلیں گا رہے ہوتے اور گھروں میں الھڑ دوشیزائیں میری آواز سن سن کر مجھے محبت نامے لکھتیں۔ شہرت کے علاوہ ہم لکھ پتی ہوتے اور زر پرست لوگ ہماری عزت کرتے! وہ بڑے دلگیر لہجے میں اظہار خیال کرتے۔

میں از راہ تمسخر کہتا: لیکن تمہاری آواز میں سریلے پن کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ بھاری پن کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس لئے تو لڑکپن میں جب کبھی تمہیں والد گاتا دیکھتے تو ٹائر سول چپل ہاتھ میں لے کر تمہیں مارنے دوڑتے تم رفو چکر ہو جایا کرتے تھے۔

بگڑ کر بولے۔ لڑکپن اور جوانی کی آواز میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں کیا معلوم! اور پھر تم کہاں کے فن موسیقی کے ماہر ہو، جو ہماری سریلی آواز کے

Marfat.com

خلاف نقلی مولوی کی طرح فتویٰ دے رہے ہو۔ بہر حال تم سے بہت اچھا گاتا ہوں کہ تمہیں تو گھر والی ٹائیلٹ میں بھی گنگناتے سن لے تو باورچی خانے سے ہاتھ میں بیلن لہراتی گھماتی اور غصے میں تلملاتی یوں دروازے پر حملہ آور ہو جاتی ہے کہ تمہاری گھگی بندھ جاتی ہے اور کھانسنا کھنکھارنا تک بھول جاتے ہو۔

کلاسیکی موسیقی سے ہمیں اپنی نالائقی بلکہ نااہلی کی وجہ سے واجبی سالگاؤ ہے۔ وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ موسیقی کی روح سے ناواقفیت کے طعنے سننے سے گھبراتے ہیں عموماً جب کوئی چالیس پچاس سال پرانا گیت بجاتا ہے تو اکثر ہمیں بھولا بسرا کام یاد آجاتا ہے۔ شگفتہ ہماری اس بیزاری کے ڈانڈے ہماری آواز کے کرخت پن سے جوڑتے ہیں کہ جب پرانا گانا بجتا ہے تو تمہارے کانوں میں اپنی آواز کی بازگشت گونجتی ہے جسے تم برداشت نہیں کر سکتے اور آپے سے باہر ہو کر، آداب محفل کی دھجیاں بکھیر کر غائب ہو جاتے ہو۔ تم بھی تو جدید موسیقی یعنی پاپ موسیقی و گائیکی کا حامل گانا سنتے ہی زور زور سے باتیں کرنے لگتے ہو اور مجلس کے ادب آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے، ہم نے ان کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا۔ طنزیہ لہجے میں بولے۔ تمہاری طرح آپے سے باہر ہو کر رفو چکر تو نہیں ہوتا، مقابلہ کرتا ہوں۔ کیا سمجھے؟

چھٹی والے دن شگفتہ کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ چھوٹے سے جاپانی ٹیپ پر دھیمے سروں میں نور جہاں مرحومہ کا ایک ممنوعہ پنجابی نغمہ ''اج ویل دی قمیض میری پھٹ گئی ہے'' بڑے انہماک سے سنتے ہوئے پسندیدہ قوالی سننے والے شخص کیطرح سر کو دائیں بائیں بے تحاشا ہلا رہے تھے۔ اچانک جو ہمیں سامنے پایا تو جھجک کر بولے۔ طبیعت اداس اور بوجھل تھی، مرحومہ کی رسیلی آواز سے روح کو تسکین پہنچا رہا تھا۔ لیکن تم تو ممنوعہ نغمہ سماعت فرما رہے تھے۔ ہم نے چوٹ کی۔ بگڑ کر بولے۔ تم کون سی ہر وقت نعتیں سنتے ہو۔ کیا گزشتہ جمعہ والے روز تم عین نماز کے وقت یہ انڈین گیت کمرہ بند کئے نہیں سن رہے تھے۔

ہم تم اک کمرے میں بند ہو جائیں......اور چابی کھو جائے

Marfat.com

اسکول کے زمانے میں ہم پر بھی گیتوں کا جادو چلا تھا۔ آواز تو ہماری بھی نہایت سریلی تھی۔ ہمعصر سنگرز کی نقالی ٹھیک ٹھاک کرتے تھے یہ ہم یونہی نہیں کہہ رہے۔ ہماری آواز سن کر والد صاحب کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ہم اعلیٰ پائے کے گائیک بن کر خاندان کی بدنامی کا سبب نہ بن جائیں۔ لہٰذا انہوں نے ہمیں سختی سے منع کر دیا اور ہمارا شوق ماند پڑ گیا۔ شگفتہ نے ہمت کی۔ والد صاحب کو رام کیا۔ لیکن معلوم نہیں کہ ان میں کس چیز کی کمی تھی کہ وہ سنگر ہی نہ بن سکے۔ جس کا قلق آج تک ہمیں بھی ہے کہ اے کاش! ہمارا کوئی دوست ہی سنگر ہوتا اور ٹی وی پر ٹھمک ٹھمک اور مٹک مٹک کر گاتا اور ہم اپنے ہم نشینوں سے کہتے کہ یہ ہمارا دوست ہے جسے ہم نے سر تال سے آشنا کیا۔ پھر ایک اچھے استاد کا شاگرد بنوایا جس کی فیس ہم اپنی جیب خاص سے ادا کرتے تھے اور ہم نے انہیں طعنے دے دے کر بلکہ اکثر تو ہاتھ جوڑ جوڑ کر گانے سے تائب ہونے سے باز رکھا۔ بالآخر ہماری محنت رنگ لائی۔ آج یہ ملک کے مشہور پاپ سنگر ہیں۔ آج اپنے پرانے یار دوستوں کو نہیں پہنچانتے، لیکن ہیں تو ہمارے لنگوٹیے! اور یوں ہم محفلوں یا ہم نشینوں میں اس کی دوستی کا حوالہ دے دے کر اپنی تھوڑی بہت عزت بڑھاتے۔

وہ تلخ تجربات، جو استاد فن کو ہمیں موسیقی سکھانے سے ہوتے، ان کا بلڈ پریشر بڑھانے کا سبب بنتے اور ہم موسیقی کے فن کو الگ بدنام کرتے۔ ان الزامات سے تو والد صاحب نے ہمیں سنگر بننے سے منع کر کے محفوظ رکھا۔ لیکن شگفتہ دھن کے پکے نکلے۔ انہوں نے پورے چھ ماہ تک استاد کو سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔ اس عرصہ میں استاد نے موسیقی اور اپنی بے چارگی پر بہت لیکچر دیئے اپنی بیزاری سے آگاہ کیا، ہاتھ تک جوڑے۔ لیکن شگفتہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور پختہ ارادہ کئے رکھا کہ نامی گرامی گائیک بن کر ہی دم لیں گے چاہے پکے گانوں کے گائیک ہی کیوں نہ بن جائیں۔

ان دنوں شگفتہ نے دن کو بھری دوپہر میں سمندر کنارے جا کر ریاض کرنے اور آواز کے بھاری پن کو دور کرنے پر بھرپور توجہ دی اور استاد کو بتایا کہ آواز میں رسیلا پن پیدا ہو چلا ہے۔ لیکن استاد نے ایک نہ سنی اور پیچھا چھڑانے کے لیے سخت سردی میں حکم دی کہ

Marfat.com

صبح سویرے اذان سے پہلے سمندر کنارے جا کر بھر پور ریاض کیا کروتا کہ تمہاری آواز میں حقیقی سریلا پن اور رسیلا پن بلکہ کرارا پن پیدا ہو۔اندھیرے کا ڈر، اوپر سے سردی سے کپکپاہٹ اور دانتوں کی بے تحاشا کھڑکھڑاہٹ اور پھر آواز کا بھاری پن۔انہیں خدشہ لگ گیا کہ کہیں ایسے ہُو کے عالم میں میری رسیلی اور کٹیلی آواز سن کر آسمان سے بلا اتر کر کسی غصیلے موسیقی دشمن پڑوسی کی طرح، گلا ہی نہ دبا دے۔شوق کی خاطر جان جانے کا خوف، استاد کی دن بدن بے وقت کی سخت ریاضت کا حکم۔ان سارے مصائب سے گھبرا کر بالآخر شگفتہ نے ساتویں مہینے استاد سے خود ہی پیچھا چھڑا لیا۔

شگفتہ حلفیہ کہتے ہیں کہ ہماری شاگردی سے ہاتھ دھو کر استاد اکثر کف افسوس ملتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ تم جیسا گیت کے لفظوں میں ردو بدل کر کے، اتار چڑھاؤ سے بے نیاز ہو کر، انتہائی ڈوب کر گانے والا شاگرد ہمیں پھر نصیب نہیں ہوا۔ہم نے مذاقاً کہا۔ردیف قافیے اور شعر و شاعری کی تم ابجد سے واقف نہیں، پھر گیتوں غزلوں کے الفاظ میں ردو بدل کیسے کر لیتے تھے؟

مسکرا کر بولے: کرتا کہاں تھا، بھلکڑ ہوں، بھول جاتا تھا، اور جو لفظ منہ میں آتا گا دیتا تھا۔استاد تمہیں ٹوکتے نہیں تھے فاش غلطی پر؟ ہم نے پوچھا، مسکرا کر بولے جی نہیں! استاد لفظوں کے ترنم پر زور دیتے تھے الفاظ کی صحیح ادائیگی پر انہیں خود عبور حاصل نہیں تھا۔آج بھی اگر کبھی بھولے سے استاد کا ذکر چھیڑ دیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا استاد بڑا مزاج شناس تھا۔وہ شاگرد کو نصیحت کرتا تھا کہ آواز نہ ٹوٹنے پائے، لفظوں کی فکر نہیں سننے والے غلط سلط سب سن کر سر دھن لیتے ہیں۔

.....☆☆☆.....

Marfat.com

نجومی نے قسمت دیکھی

انسان جب مسلسل ناکامیوں اور مایوسیوں سے بُری طرح بیزار اور ذہنی خلفشار سے دوچار ہوتا ہے اور اکثر جگہ منہ کی کھاتا ہے تو اس کے ذہن میں بالآخر یہ خیال ضرور گزرتا ہے کہ کیا زندگی یوں ہی بے کار و خوار گزر جائے گی یا پھر زندگی کے کسی حصے میں کامیابی اور عیش و عشرت کا بھی دور دورہ ہوگا۔ ان مثبت و منفی خیالات کی چکی میں وہ اتنا پستا ہے کہ مجبوراً اسے ہر طرف اندھیرا نظر آنے کی وجہ سے یہ جاننے کا فیصلہ کرتا ہے کہ اپنی قسمت میں آئندہ کیا ہونا لکھا ہے، بس یہی اندیشہ اس کاہل اور بے عمل شخص کو نجومی کے پاس لے جانے کا محرک بنتا ہے!

کچھ عرصہ قبل یہی کچھ ہمارے ساتھ ہوا تھا جب ہم میٹرک میں فیل ہو گئے، منگنی ٹوٹ گئی، ہر طرف سے ناکامیوں اور مایوسیوں کی یلغار نے ہمیں اتنا بیزار و خوار کیا کہ دل کی ڈھارس کے لیے ہم نے وہ قدم اٹھایا جس کا نتیجہ تو مثبت نہیں رہا، ہاں کچھ عرصہ خوبصورت تصورات اور شاندار مستقبل کی امید نے ہمیں کافی خوش و خرم رکھا۔ ہم نے بڑی سوچ و بچار کے بعد فٹ پاتھ پر عرصہ سے براجمان ایک اونچے قسم کے نجومی بابا سے رابطہ قائم کیا تاکہ ہاتھ کی لکیروں میں لکھی کامیابیوں کے بارے میں نجومی بابا کے افشا کیے گئے حالات کے حوالے سے والدین پر وقتاً فوقتاً ایسے خوش کن اور چونکا دینے والے انکشافات کر سکیں تاکہ کھوئی ہوئی ساکھ دوبارہ بحال کرنے میں مدد مل سکے۔

نجومی بابا ہمارے پریشان چہرے کو غور سے دیکھنے اور استہزائیہ ہنسی ہنسنے کے بعد فلسفیانہ لہجے میں بولے، تمہارے ماتھے کی لکیروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی کے منجدھار میں مسلسل ڈبکیاں کھا رہے ہو۔ کچھ عرصہ جاتا ہے کہ گلے گلے تک مصائب و مشکلات

Marfat.com

میں ڈوب سکتے ہو۔ متفکر اور بے چین رہتے ہو۔ کسی کل چین نہیں آتا!

جی ہاں! جی ہاں!! صحیح فرمایا آپ نے ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے زندگی سنواروں اور..... ہماری موجودہ حالت کے صحیح تجزیئے نے ہمیں نجومی بابا کے اور قریب کھسک کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا تا کہ ان کی مزید پیش گوئیوں کا ایک ایک لفظ ذہن میں محفوظ کر سکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کم عمری میں ہی تم نے محبت میں ٹھوکر کھائی ہے۔ دنیاوی مشکلات اور اس پر طرہ یہ کہ محبت میں شدید قسم کی ناکامی اور.....اور.....وہ آگے کچھ بولتے بولتے رک گئے اور مشکوک نظروں سے ہماری ظاہری خستہ حالت کو دیکھنے لگے جیسے ہماری مالی حیثیت کا اندازہ لگا رہا ہو۔

اشتیاق سے پوچھا' اور کیا؟ اور کیا نجومی صاحب.....فرمایئے'۔

خلاء میں گھورتے ہوئے سنجیدگی سے بولے' میں یہاں مستقبل کے حالات بتانے کے لیے ہی بیٹھا ہوں نوجوان۔ لیکن بغیر فیس کے نہیں۔ اگر آپ اپنی قسمت کے بارے میں جاننے کے لیے تشریف لائے ہیں تو ایک سو روپے معمولی فیس نکالیے! ایک ہی سانس میں اس نے اپنے طریقہ واردات کی مختصر تشریح پیش کر دی۔

سو روپے؟ ہم نے حیرت سے فیس کی رقم دہرا کر انہیں سوچنے پر مجبور کرنا چاہا۔ کیونکہ سنا تھا کہ آج کل نجومی بیس پچیس روپے میں تقدیر کا حال بتا دیتے ہیں۔ جس کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی کہ ان کے خیال میں قدرت ہر دم تقدیر بدلتی رہتی ہے۔ ہاتھ کی لکیروں میں چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں کبھی کسی کو ذلیل وخوار اور کبھی نہال وخوشحال کرتی رہتی ہیں۔

ہیں سو روپے نقد آپ کے پاس؟ نجومی بابا نے تمسخرانہ انداز میں ایسے پوچھا جیسے ہم ان کی نظر میں ٹٹ پونجیے ہوں اور ہم سے انہیں نذرانہ ملنے کی کوئی توقع نہ ہو۔

سو روپے تو.....اگر پندرہ بیس روپے میں حالات.....ہم نے ڈرتے ڈرتے ان کی فیس میں کٹوتی پیش کرتے ہوئے ادھورے جملے کہے۔

نہیں! سختی سے بات کاٹ کر بولے۔ پھر چند لمحے ہماری ظاہری حالت کا

Marfat.com

جائزہ لینے کے بعد دل میں رحم کی لہر جو اٹھی تو مسکرا کر بولے 'خیر! تمہاری مالی اور ذہنی بدحالی کو دیکھتے ہوئے رعایت کرتا ہوں کہ اللہ ترس کھانے والوں کی آمدنی میں برکت دیتا ہے، لائے پچیس روپے!

ہم نے جھٹ سے پچیس روپے جیب سے نکال کر نجومی بابا کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس نے لنڈے کے پرانے کوٹ کی اندرونی جیب میں روپے رکھے اور نظر کی بے ڈھنگی سی عینک آنکھوں پر لگاتے ہوئے ایک موٹی سی کتاب کھول کر کچھ دیر پڑھنے کے بعد مخاطب ہوئے لائیے اپنا دایاں ہاتھ۔

ہاتھ سامنے کر دیا تو کبھی ہمارے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر سنجیدہ ہوتے اور کبھی ہمیں دیکھ کر مسکراتے۔ ہم سمجھ نہ پائے کہ ان کے دو مختلف قسم کے چہرے پر تاثر طاری کرنے کا منشا کیا ہے۔ بہر حال ضبط کیا کہ دیکھیں کیا انکشافات کرتے ہیں۔ دائیں ہاتھ کی لکیروں کو غور سے دیکھنے کے بعد بولے 'بڑے خوش نصیب ہو نوجوان۔ تمہاری قسمت میں اعلیٰ تعلیم ہے اور تم کو ایک اعلیٰ سرکاری افسر بننے سے کوئی مائی کا لال نہیں روک سکے گا۔' ہم نے اپنی حیرانی اور پریشانی چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے منکشف کیا 'لیکن اس سال تو میٹرک میں بھی فیل ہو گیا ہوں نجومی صاحب! گھر اور باہر جو تھوڑی بہت 'بابو پنے' کی عزت تھی وہ بھی گنوا بیٹھا ہوں۔

اچھا فیل ہو گئے ہو؟ اس نے حیرت سے میرے الفاظ دہرائے۔ پھر جیسے حواس مجتمع کرنے کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر، جیسے اوپر والے سے رہنمائی چاہ رہے ہوں، مسکرا کر بولے 'کوئی بات نہیں یہ تمہاری ہاتھ کی لکیریں باریک باریک زبان حال سے کہہ رہی ہیں کہ شروع میں معمولی گڑبڑ اور ناکامیاں تمہیں بددل کر دیں گی لیکن بعد میں تم نہایت جرات اور ہمت سے ان پر قابو پا کر فتح یاب ہو جاؤ گے۔ نجومی بابا کے اس انکشاف پر دل کو ڈھارس ہوئی کہ خیر! اس وقت اگر ہم ڈرپوک اور کند ذہن ہیں تو کیا ہوا..... مستقبل میں تو ہم اور ہی کچھ ہوں گے۔

دوسری اہم بات! وہ اچانک اتنا کہہ کر رک گئے اور ہماری سانس رکنے لگی، لہٰذا

Marfat.com

مزیدان کے قریب کھسکنے کی گنجائش نہ ہونے کے باوجود کھسک کر بے چینی سے پوچھا دوسری اہم بات کیا نجومی صاحب.....فرمایئے.....برائے کرم فرمایئے!

کچھ دیر مفکر کی طرح آنکھیں بند کر کے کچھ سوچا اور پھر ہاتھ کی لکیروں کو گندے ڈسٹر کی مدد سے زور زور سے رگڑا اور بولا 'تمہاری شادی ایک حسین وجمیل دوشیزہ سے ہوگی جو کافی دولت مند ہوگی۔ وہ تم پر ہزار دل وجان سے عاشق وفدا ہوگی۔

یا اللہ! ہم نے دل میں سوچا یہ کیا کہہ رہا ہے۔ ہم جیسی گئی گزری شکل اور ناک نقشے اور کنگلے پر ایک حسین وجمیل اور دولت مند دوشیزہ عاشق ہوگی۔ ناممکن، قطعاً ناممکن۔ لیکن دل پر جبر کر کے کہا 'ممکن ہے!'۔ نجومی نے وثوق سے یوں کہا جیسے ہماری جیب کے کونے کھانچے میں جو دو چار پیسے ہوں وہ بھی اگلوالیں۔ بالکل ممکن ہے نوجوان، مستقبل اس کا جواب دے گا اور پھر آپ کی قسمت میں ایک نہیں چار شادیاں ہیں۔

ہم بیٹھے ہونے کے باوجود گرتے گرتے بچے اور سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا: جی!

ہاں جی! انہوں نے مسکراتے ہوئے تیز لہجے میں یوں کہا جیسے بے ہوش ہو رہے ہوں تب بھی سن لیں۔ تمہاری قسمت میں چار شادیاں ہیں۔ تین بیویاں دولت مند ہوں گی اور ایک بیوی تمہیں غریب ملے گی لیکن جنت کی حور ہوگی۔

ہمارا حیرت واستعجاب بتدریج بڑھ رہا تھا۔ بدن میں جیسے بجلی کی ہلکی ہلکی لہریں سی دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں اور ہمیں ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے جیسے کم درجے کا زلزلہ آرہا ہو۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا کہ مزید کیا پوچھیں۔

آپ ایک بڑے نامی گرامی بین الاقوامی تاجر بنیں گے اور ملکوں ملکوں کی سیر و تفریح اور وہاں کی ہر قسم کی عیش وعشرت.....سمجھتے ہو نا عیش وعشرت.....سب کچھ تمہیں میسر ہوگا۔ واہ! واہ! قسمت ہو تو ایسی!!! نجومی بابا نے ہمارے حیرت واستعجاب کو ایک اور زوردار کوڑا لگایا۔

ہم.....م.....م.....میرا مطلب ہے بین الاقوامی تاجر بنیں گے، ہم حقیقتاً بے

Marfat.com

ہوشی کی منزل میں داخل ہو چکے تھے۔جیسے ہم ہوا میں بے پر کے اڑ رہے ہوں اور دنیا کے باسی ہمیں بونوں کی طرح لگ رہے ہوں۔

ہاں! قومی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی تاجر..... بلکہ صنعت کار کہہ لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔اور پھر ایسے ویسے بھی نہیں بلکہ ہر ملک کا سربراہ تمہیں اپنے ملک میں سرمایہ لگانے کی دعوت دینے میں فخر محسوس کرے گا۔ان کے ہاں دعوتیں اڑاؤ گے، پیو پلاؤ گے۔ہمیں نیم غنودگی کے عالم میں دیکھ کر ہاتھ سے ٹہوکا دیا اور پھر بولے اور اس سے آپ کی زندگی میں ایک انقلاب آئے گا!

انقلاب کا لفظ ہمارے بدن میں کپکپی دوڑا گیا۔یوں لگا جیسے نجومی بابا ہمیں جو مسلسل خوشی کا کلوروفام سنگھا رہا تھا، اب ڈر و خوف کی داستان سنا کر ہوش میں لانا چاہتا ہے۔''وہ کیسا انقلاب ہوگا نجومی صاحب؟ بیڑہ غرق کرے گا یا''..... نجومی بابا تھوڑی دیر ہمیں گھورتے ہوئے یوں ہنستے رہے جیسے ہمیں شیخ چلی کی نسل کا ایک فرد سمجھ کر ہماری خیالی امیدوں، آرزوؤں اور امنگوں کو جگا کر ہمیں خوش کر دینا چاہتے ہوں۔

ہمارے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بولے 'ہاں تو نوجوان بیڑا..... نجومی بابا نے مسکراتے ہوئے جملہ تھوڑا سسپنس پیدا کر کے یوں پورا کیا' بیڑا پار سمجھ لینا!

او Thank You نجومی صاحب۔شاید کیرو بھی ہمیں اتنی گہری باتیں نہ بتاتا۔وہ مسکرائے تو ہم نے بظاہر اطمینان کا سانس لیا لیکن دل میں شکوک وشبہات کو دبائے رکھا۔وہ اپنے مسکراہٹ کو ہنسی کی سرحد میں داخل کرتے ہوئے بولے اور وہ انقلاب یہ ہوگا کہ آپ..... ''نجومی'' بابا کو پھر بریک لگ گیا۔

بے چینی سے منت آمیز لہجے میں پوچھا 'فرمایئے۔فرمایئے جناب عالی!

یہ اہم انکشاف ہم حقیر پچیس روپے میں ہرگز نہ کرتے۔لین تمہاری ظاہر اور مالی خستہ حالی کو دیکھ کر ہمارا دل بے طرح پسیج گیا ہے لہٰذا ترس کھا کر انکشاف کر رہے ہیں۔

بہت بہت مہربانی نجومی صاحب، ہم نے مسکہ پالشی انداز اپنایا۔

Marfat.com

ہاں! وہ انقلاب یہ ہوگا کہ آپ چالیس سال کی عمر کے بعد وزیر بنیں گے اور پھر پچاس سال کی عمر میں ملک کے صدر..... اور انتہائی کامیاب صدر بنیں گے۔ نجومی بابا نے یہ انکشاف کرنے بعد سر یوں جھکالیا جیسے مراقبے میں چلے گئے ہوں..... ہم سمجھ گئے کہ ہماری قسمت میں جو اوپر والے نے لکھا ہے وہ سب انہوں نے بتادیا ہے۔ لہٰذا نجومی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا، کہا: انشاءاللہ جلد ہی کراچی کے 'اصلی گھی، کے حلوے سے منہ میٹھا کراؤں گا۔ جیب سے پانچ روپے نکال کر دیتے ہوئے کہا 'اس سے سادہ پان کھا لیجئے گا۔ آپ نے ہمارے پورے مستقبل کو ہم پر روشن کر دیا ہے۔ یہ احسان ہم عمر بھر نہیں بھولیں گے۔

شکریہ! لیکن خاکسار کو نہ بھولیے گا۔ ممکن ہے تب تک یہ حقیر فقیر بدستور اسی فٹ پاتھ پر قبضہ جمائے آپ کو ملے۔ نجومی بابا نے یہ یوں کہا جیسے مظلوم کسی منصف سے انصاف طلب کرتا ہے۔

خوشی خوشی ہم پیدل ہی گھر کی طرف چل دیئے۔ پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ یوں تو جس دن سے نتیجہ نکلا تھا، والد صاحب ہمیں کاہل، سست، کم عقل، نالائق، پھسڈی جیسے دل شکن خطابات سے ہر روز صبح و شام نواز رہے تھے۔ لیکن اس شام کو جب غصے میں انہوں نے بگڑ کر کہا 'تم زندگی میں ناکام ہی رہو گے اور کلرکی کرو گے۔ تو بخدا ایسے حوصلہ شکن الفاظ سنتے ہی ہمارا خون کھول اٹھا کہ چار مالدار اور خوبصورت بیویوں کا شوہر بننے والے کو، اور مستقبل کے وزیر اور پھر سربراہ مملکت کو ناکام کہہ کر غلط پیشن گوئی کرنا کس قدر توہین آمیز سلوک ہے۔ لہٰذا ہم نے زندگی میں پہلی بار والد صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا 'قبلہ والد صاحب! شاید آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کا نالائق اور پھسڈی بیٹا جب چالیس سال کی عمر میں وزیر اور پھر پچاس سال کی عمر میں ملک کا صدر بنے گا تو آپ مجھے لائق اور عظیم بیٹا کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قراقلی ٹوپی کو ٹیڑھا کر کے فخر سے چلیں گے اور لوگ آپ کو میری وجہ سے تعظیم دیں گے تب آپ.....

ہاتھ کے اشارے سے ہمیں خاموش رہنے کا کہہ کر والد صاحب ہمارے قریب

Marfat.com

آئے اور پوچھا' کیا کہا، ذرا پھر سے دہراؤ نالائق۔تم وزیر اور ملک کے صدر بنو گے۔یہی کہا ناں تم نے؟

جی ہاں! بالکل یہی کہا ہے میں نے، جو آپ نے بالکل صحیح سنا ہے۔اور یہ سب کچھ ملک کے نامی گرامی اور بین الاقوامی شہرت یافتہ اعلیٰ پائے کے نجومی بابا نے میرا ہاتھ دیکھ کر صحیح صحیح میرے مستقبل کے بارے میں بتایا ہے۔میں نے فخر سے سینہ تان کر کہا۔

بے وقوف! احمق!! پاجی!!!اب معلوم ہوا کہ تم نالائق کیوں ہو۔کام چور، نکمے، گدھے..... جونہی والد صاحب نے ہمارے لئے نا قابل قبول خطابات کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا، ہم سے ضبط نہ ہو سکا اور غصے میں پھنکارتے ہوئے باہر نکل گئے۔

اب ہم ہفتہ بھر سے سوچ رہے ہیں کہ نجومی بابا سے جا کر کہیں کہ تم نے واقعی سچ بتایا ہے یا دوسرے پھینکو قسم کے نجومیوں کی طرح ہمیں خوش کرنے کے لیے داستان طرازی کی تھی، جس کی وجہ سے ہمیں والد صاحب کے ہاتھوں ایک بار پھر ذلیل وخوار ہونا پڑا یا پھر تم علم نجوم ودست شناسی کی دم تک سے واقف نہ ہونے کے باوجود' پروفیسر علم نجوم ودست شناس، کا چمکتا بورڈ اپنے سامنے رکھ کر مجھے جیسے نالائق نوجوانوں کو محض اس لئے الو بناتے ہو تا کہ دال روٹی کا خرچہ نکلتا رہے۔

یا پھر والد صاحب سے اس بات پر اکڑ جائیں کہ نجومی بابا سچ کہتا ہے اس لئے کہ وہ علم نجوم اور دست شناسی بخوبی جانتا ہے۔آخر آپ میری حوصلہ شکنی کیوں کرتے ہیں۔پھر جس علم کی الف' بے سے بھی آپ قطعاً کورے ہیں، آپ کو زیب نہیں دیتا کہ اس علم کا تمسخر اڑائیں۔ممکن ہے کل ہم وزیر اور پھر ملک کے باعزت صدر بن جائیں۔ پینتالیس سال کی عمر تک نتائج کا انتظار نہیں کر سکتے اور میری سترہ سال کی عمر میں حوصلہ شکنی چہ معنی دارد!

دیکھئے! اب ہم کس نتیجے پر پہنچتے ہیں اور آئندہ کیا انقلابی قدم اٹھاتے ہیں!!!

.....☆☆☆.....

Marfat.com

ہوئے پٹ کے ہم جو رُسوا

مرزا شگفتہ اب تک متعدد اداروں میں نوکری کر چکے ہیں۔ اکثر افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق اس طبقے سے ہے جو 'نوکری چاکری' کرتے کرتے بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھتے ہی ریٹائرڈ ہو کر مسلسل جھورنے لگتے ہیں اور پھر موقع بے موقع ہر کسی کو 'نوکری چاکری' کی بھولی بسری یادوں کو نمک مرچ لگا کر ایک داستان گو کی طرح مزے لے لے کر دہراتے دہراتے ایک دن چپکے سے اناللہ ہو جاتے ہیں۔

ہم نے شہ دی: لیکن شگفتہ تم نے کبھی ہمیں اپنی 'نوکری چاکری' کی تلخ و شیریں روداد سنائی نہیں حالانکہ ہمیں کچھ سنی سنائی کچھ ذاتی معلومات کی بناء پر تمہاری نوکری چاکری کے بارے میں خاص خاص صدمات اور المیہ واقعات کا علم ہے۔ لیکن ہم تو تمہاری زبان خاص سے سچے حالات، واقعات و حادثات کی تفصیل سننا چاہتے ہیں تا کہ حقائق سے صحیح آشنائی ہو کہ تم نے 'نوکری چاکری' کے بحر ظلمات میں سے اپنا گھوڑا کتنی کاوش سے قابو کر کے ہر بار دوسرے کنارے پر بحفاظت پہنچایا!

شگفتہ سنجیدگی اختیار کرنے کے بعد کھلے اور ایسے کھلے کہ دھیرے دھیرے اپنی 'نوکری چاکری' کی روداد کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے یعنی دلچسپ انداز عطا کر کے ہمیں مسرت آمیز حیرت سے آشنا کر دیا۔

کہنے لگے کہ میں نے پہلی ملازمت ایک غیر ملکی عام سی فرم میں کی۔ جس طرح نیا ملا دوڑ دوڑ کر مسجد کو جاتا ہے بالکل اسی طرح میں نے بھی خوب محنت سے کام کیا۔ سب وقت ختم ہونے پر چلے جاتے لیکن میں سر جھکائے کام میں لگا رہتا۔ میرا کام میں انہماک دیکھ کر فرم کے مینجر نے خوش ہو کر میری ایمانداری اور محنت کے اعتراف کے طور پر مجھے

Marfat.com

سونے کے پانی چڑھے 'گولڈ میڈل' اسے اپنے کمرہ خاص میں نوازنے کے بعد مع لیڈی سیکریٹری تالیاں بجا کر میری عزت افزائی کی۔ مینجر نے اسے وقت پر گھر جانے کی اجازت بلکہ دھمکی دی کہ تم خواہ مخواہ فضول بیٹھے رہتے ہو۔ یوں سیکریٹری اور مینجر ایک بند کمرے میں دل لگا کر آفس کا کام نپٹاتے اور میں باہر بیٹھا سرد آہیں بھرتا۔ پھر وہ دونوں ہشاش بشاش کار میں چلے جاتے تو میں آفس کو تالا لگا کر گھر جاتا اور صبح آ کر آفس کھولتا تا کہ گولڈ میڈل حاصل کرنے کا بھرم قائم رکھ سکوں۔ لیکن افسوس کہ وہ فرم، جس کا نام میں بھول رہا ہوں، غیر معیاری..... میرا مطلب ہے غیر اخلاقی اور مذموم سیاسی کرتوتوں کی وجہ سے گرفت میں آ گئی اور پولیس نے اسے تالا لگا دیا۔ ہم سارے ملازم سروس سرٹیفکیٹ سے محروم رہے لہٰذا کسی سے اس ملازمت کا ذکر کرنے سے گریزاں رہے مبادا کوئی شر پسند قسم کا شخص ہمیں ملک دشمن فرم کا سابق ملازم کہہ کر ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرے۔

ہم نے پوچھا "پھر وہ گولڈ میڈل بھی تم نے بیچ دیا ہوگا"۔

افسردگی سے انکشاف کیا: نہیں! اسے اب بھی میں نے اپنے گھر کی الماری میں چھپا رکھا ہے۔

مشورہ دیا: تو اسے فروخت کر دو۔ کسی دن پولیس نے چھاپہ مارا تو دھر لئے جاؤ گے!

سنجیدگی سے بولے: کیوں! کیا ہم نے قاضی کی گدھی چرائی ہے جو پولیس پکڑے گی۔ اور پھر وہ نقلی سونے والا گولڈ میڈل خریدے گا کون! ایسی معمولی شے کے لئے میرے گھر پر پولیس کا چھاپہ مارنے کی تک ہی کیا ہے؟

ہم نے خدشہ ظاہر کیا۔ ممکن ہے کوئی تمہارا دوست نما مخالف تمہارے ماضی کا حوالہ دے کر تمہاری کمپنی کے کرتا دھرتا کے کان بھرے کہ تم نے اشتہاری فرم میں نوکری کی تھی جو ملک دشمن سرگرمیوں میں دھر لی گئی تھی اور تم گرفت میں آ جاؤ۔

اسے سمجھایا۔ دیکھو تمہاری اس فرم سے وابستگی کا ثبوت، گولڈ میڈل' کی صورت

Marfat.com

میں تمہارے گھر میں موجود ہے۔جس کے بارے میں شاید تم نے یہ بتایا تھا کہ تم ہر سال اس پر سونے کا پانی چڑھواتے ہوتا کہ سندر ہے اور تمہاری محنت اور ایمان داری کا واحد ثبوت موجود رہے اور تم اپنے نام کے ساتھ، جہاں مناسب سمجھو' مرزا شگفتہ گولڈ میڈلسٹ' لکھ کر اپنی عزت بڑھا سکو۔

لاابالی پن سے بولے: میرے پاس دیگر تین چار کمپنیوں کے سروس سرٹیفکیٹ بھی تو موجود ہیں کہا وہ ثبوت کافی نہیں کہ.....

بات کاٹ کر حقیقت کی طرف توجہ دلائی: بھائی شگفتہ میں تھوڑا بہت جانتا ہوں کہ کس کمپنی سے کس الزام میں تم کو نکالا گیا اور تم نے گڑگڑا کر، منت سماجت کر کے اور ہاتھ جوڑ کر سروس سرٹیفکیٹ بنوائے تا کہ آئندہ نوکری چاکری کے لیے درخواست میں تجربے کے طور پر تم حوالہ دے سکو کہ فلاں فلاں ادارے نے تمہیں ایماندار اور محنتی ملازم کا سرٹیفکیٹ دیا اور یوں تم نوکری کے لیے جوتیاں چٹخانے سے بچ گئے۔

بگڑ کر بولے: یعنی کہ تم نے یہ باتیں ابھی تک فسادی ذہن کے کونے کھدرے میں محفوظ کر رکھی ہیں۔صد افسوس! میں ان تلخ یادوں کو بھول بھال چکا ہوں۔لیکن تم جیسے خطرناک رازداں تو موجود ہیں جو کسی وقت بھی میری بدنامی کا باعث بن سکتے ہیں۔گھر کے بھیدی کی طرح تم مجھے کسی وقت بھی ہتھکڑی لگوا سکتے ہو۔کمپنی کی نوکری سے کک آؤٹ کروا سکتے ہو!

تحمل سے عرض کیا: نہیں بھئی شگفتہ! میں کیوں ایسا چاہوں گا میں تو تمہیں اس لئے یاد دلا رہا ہوں تا کہ تم آئندہ محتاط رہو اور پھر کسی.....ذرا توقف کے بعد بات پوری کی بقول تمہارے: گھناؤنے الزام یا الزامات میں ڈسچارج نہ کر دیئے جاؤ! شگفتہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولے! اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں بہت سدھر گیا ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہیں وہ الزامات جن کے صدمات کے زخم ابھی تک ہرے ہیں میں انہیں مزید ہرا نہیں کرنا چاہتا۔

ہم نے مزا لینے کے لیے شہ دی: مثلاً کس قسم کے ہرے زخم بھئی شگفتہ!

Marfat.com

متفکرانہ انداز اختیار کر کے شروع ہو گئے: پہلی نوکری سے فارغ ہونے کے بعد، میں نے ایک بڑی نامی گرامی کمپنی میں ملازمت حاصل کی۔تب میں غیر شادی شدہ تھا اور اخبارات وغیرہ میں 'ضرورت رشتہ' کے اشتہارات پڑھ پڑھ کر کسی ماہ لقا اور دولت میں کھیلنے والی لڑکی کو بطور بیوی قبول کرنے کے سہانے خواب دیکھا کرتا تھا۔حسن اتفاق سے کمپنی میں ملازم ایک نہایت حسین وجمیل بلکہ کہنا چاہیے پری چہرہ لڑکی مجھے بے حد پسند آئی اور پھر پوری لگن سے اس لڑکی کو لبھانے، رجھانے، منانے بلکہ ستانے اور شادی کے لیے آمادہ کرنے کی ترکیبیں کرنے لگا۔اسے میں نے مسلسل گھور گھور کر دیکھنے کا شغل اپنا لیا، تا کہ اس کے دل پر میری چاہت کی دستک کا اثر ہو اور وہ بھی مجھے مثبت جواب محبت سے نوازے۔لیکن اس پری شمائل نے مجھے محبت سے دیکھنا تو کجا مسکراہٹ سے بھی نوازنے کا ظاہری تکلف نہیں کیا۔مایوسی کی حالت میں حماقت سرزد ہوا کرتی ہے اور میرے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

ایک دن اسے خالی کمرے میں تنہا پا کر میں اس کے قریب گیا تو وہ گھبرا گئی اور باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی تو میں نے راستہ روک لیا۔آج میں دل کی بات کہہ دینا چاہتا تھا لہٰذا دھیمے لہجے میں اس سے اپنی شدید محبت کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ فی الفور شادی کی پیشکش بھی کر دی۔وہ لڑکی بپھر گئی تو میں نے خوف سے دروازہ بند کر لیا تا کہ کوئی دوسرا ہماری گفتگو نہ سن سکے۔اس نے مجھے ایسے ایسے خطابات سے نوازا کہ کیا عرض کروں۔مجنوں کی اولاد، آوارہ، دو ٹکے کے کلرک وغیرہ وغیرہ۔شاید اس کی تیز آواز کی بھنک باہر والوں کے کانوں میں پڑی تو کمپنی کے ملازم دروازے کے باہر جمع ہو کر چلانے لگے ''دروازہ کھولو۔جلدی دروازہ کھولو' اور پھر وہ دروازہ پیٹنے لگے۔میں نے دروازہ کھول دیا اور وہ لڑکی سسکیاں بھرتی ہوئی بھاگ گئی۔

یوں اپنے اس نامعقول رویے کی پاداش میں مجھے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔لیکن کمپنی کا ایم ڈی ذرا ٹھرکی قسم کا تھا، بولا ''نوجوان میں مجبور ہوں ورنہ میں تمہیں اس معمولی سی کوتاہی پر نوکری سے نہ نکالتا۔اس لیے کہ میں بھی ایسی وارداتیں متعدد بار

Marfat.com

کامیابی سے کر چکا ہوں۔لیکن ذرا سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر، شکار کو قابو میں کرنے کے لیے اس کا ڈر وخوف دور کر کے کامیابی کا منہ دیکھتا تھا۔تم نے اناڑی پن میں شاید اچانک ہلا بول دیا جس سے شکار بدک گیا اور تم مات کھا گئے۔ آئندہ احتیاط کرنا "I wish you good luck" اور پھر اس بھلے آدمی نے مجھے تعریفی کلمات کا حامل سروس سرٹیفکیٹ دے دیا جس میں واضح طور پر نمایاں الفاظ تھے'یہ ایماندار، ذہین اور خوش اخلاق نوجوان ہے''۔

سوال داغا: پھر دوسری بلکہ تیسری کمپنی سے کیسے فارغ ہوئے یا کر دیئے گئے!

شگفتہ آہ سرد بھر کر شروع ہوگیا۔ کمپنی میں اچھا بھلا کام کر رہا تھا کہ ایک دن ساتھی نے رازداری سے پوچھا تاش واش کھیلنے کا شغف ہے؟

جواب دیا' بالکل ہے لیکن شرط لگا کر کھیلتا ہوں دل بہلاوے کے لئے نہیں۔

خوش ہو کر بولے'بس تو پھر سمجھو کہ تمہاری مراد بر آئی۔

متجسس انداز میں پوچھا۔کیا مطلب مراد بر آئی۔میں سمجھا نہیں۔

باچھیں پھیلا کر خوشی سے بولے۔بھئی لنچ کے فوراً بعد ساتھ والی کمپنی میں ہم لوگ ایک خالی چھوڑے سے کمرے میں چوکڑی جماتے ہیں۔ جب تک لنچ ختم اور بڑے صاحب واپس نہ آ جائیں، کھیل جاری وساری رہتا ہے اور ہار جیت ہوتی رہتی ہے لیکن سب کچھ خاموشی کے ساتھ!

خوش ہو کر کہا تو پھر کل سے تم مجھے بھی شامل سمجھو اپنی ٹولی میں۔آج پیسے نہیں ہیں میری جیب میں۔

کھلکھلا کر ہنسے اور بولے۔تم فکر نہ کرو پیسوں کی۔ یہ لو دو سو روپے میرے سے ادھار!

یوں میں نے پہلی بار دوسروں کے ساتھ جلدی جلدی لنچ کیا اور پھر مخصوص کمرے میں جا کر تاش کھیلنے میں مصروف ہوگیا۔ وہ جو محاورہ ہے نہ کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے، وہی میرے ساتھ ہوا۔ میں کھیل سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہیں ہو

Marfat.com

پایا تھا کہ پولیس کا چھاپہ پڑ گیا اور ہم چاروں دھر لیے گئے۔ اس شام جب کہ ہم پولیس لاک اپ میں بیٹھے تھے کہ آفس کے چپراسی نے مجھے لفافہ لا کر دیا، جس میں میری نوکری کے خاتمے کی اطلاع تھی اور لکھا تھا کہ رہا ہونے پر اپنا حساب کتاب آ کر لے جانا۔ پولیس سے مک مکا کرنے کے بعد جب دوسرے دن کمپنی کے جنرل منیجر سے بمشکل ملاقات کا وقت لیا تو وہ مجھے گھورتے ہوئے بولے! نوجوان! مجھے افسوس ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ دھر لئے گئے۔ جوا ہم بھی کھیلتے ہیں، پیتے پلاتے ہم بھی ہیں، ناچ گانا بھی دیکھتے سنتے ہیں اور دیگر پر تعیش لوازمات سے کماحقہٗ دل پشوری کر کے جھومتے جھامتے گھر لوٹتے ہیں لیکن اس طرح غیر محفوظ جگہ پر نہیں کہ پولیس آ کر دھر لے۔ احتیاط شرط ہے۔ تم جتنے چاہو منفی نوعیت کے کام کرو، لیکن سوچ سمجھ کر تا کہ معاشرے میں عزت دار بنے رہو۔

میں نے بہانہ تراشا، جناب! میں تو اپنے دوست سے ملنے گیا اور مفت میں دھر لیا گیا۔ جی ایم طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولے، دو سو روپے ادھار میں سے کچھ روپے تم ہارے کہ نہیں؟ اگر تمہارے پاس ہزاروں روپے بھی ہوتے تو تم یقیناً وہ سب گنوا بیٹھتے کہ وہاں ملی بھگت سے جوا کھیلا جاتا ہے اور نئے شکاری کو بڑی بیدردی سے نوچا کھسوٹا جاتا ہے۔ یہ انکشاف سن کر میری توسٹی گم ہوگئی۔ اب میرے بولنے کے..لیے کیا بچا تھا۔ لہٰذا منہ لٹکا کر کمرے سے نکلا اور یوں یہ نوکری ہاتھ سے نکل گئی۔ البتہ میری التجا پر انہوں نے از راہ نوازش سروس سرٹیفکیٹ دیا جس میں میرے کھرے کردار اور محنتی اور ذہین و فطین ہونے کا ذکر تھا۔

سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر تم کافی دنوں تک بیروزگار رہے۔ شگفتہ گھمبیر لہجے میں بولے! ہاں تین مہینے تک بیروزگار رہا لیکن پھر ایک فیکٹری میں نوکری مل گئی۔

مذاق میں کہا وہاں سے کس طرح کک آؤٹ ہوئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ عزت و آبرو سے نکالے گئے۔

بگڑ کر بولے۔ کیا تم ذومعنی گفتگو سے میرے زخموں پر نمک چھڑکنے سے پرہیز نہیں کر سکتے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ وہاں سے میں کک آؤٹ نہیں ہوا تھا بلکہ میں

Marfat.com

نے خود ایک عزت دار شخص کی طرح استعفیٰ دے دیا تھا۔

حیرت آمیز لہجے میں پوچھا: ''تعجب! کیا واقعی ایسا ہوا تھا؟''

تلخی سے بولے: اب تم خود پر دوسروں کو قیاس تو نہ کرو کہ تمہیں تو نا اہلیت کی وجہ سے ہر ادارے سے جواب ملتا رہا۔ تمہاری عادتیں ہی ایسی ویسی ہیں، اسی لئے تم ہر ایک کو اپنے پیمانے پر ناپتے تولتے ہو۔ حتیٰ کہ عشق و محبت میں بھی یہی معیار اپناتے ہو جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارے مقابلے میں خوش شکل ہوں، ہنس مکھ ہوں، پیار و محبت کے مختلف پینتروں سے بخوبی واقف ہوں۔ کسی اپنی منظور نظر یعنی متوقع محبوبہ کی والدہ محترمہ کے چہرے کے تاثرات سے ہی جان لیتا ہوں کہ یہاں دال گل سکتی ہے یا نہیں۔

ہم نے جواباً عرض کیا' ہر چاہنے والے کو نرم گرم واقعات و حادثات سے پالا پڑتا ہے لیکن اپنے اصول پر۔ یعنی کہ چاہنے کی عادت پر ثابت قدم رہنے والا ایک نہ ایک دن سرخرو ہو ہی جاتا ہے۔ بشرطیکہ شکل و صورت کی غیر جاذبیت کے لحاظ سے تم پر نہ گیا ہو۔ شگفتہ بگڑ کر بولے۔ ہاں بھئی تمہیں تو لوگ یوسف ثانی مانتے ہیں۔ چیچک زدہ چہرے پر ہر وقت نور برستا رہتا ہے اور حسین و جمیل لڑکیاں تمہیں دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتی ہیں۔

ہم نے مطلب کی طرف واپس لانے کے لیے کہا' خیر! تم جو چاہو کہو، میں برا نہیں مانتا کہ عشق و محبت کی بار بار کی ناکامیوں نے تمہیں تلخ بنا دیا ہے۔ بہتر حال! تم یہ بتاؤ کہ وہاں سے استعفیٰ کس خوشی میں دیا تھا؟

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد شگفتہ بولے: ملازمت کے دوران تھوڑے ہی دنوں میں میں نے مشاہدہ کیا کہ یونین کے عہدے دار مزے اڑاتے ہیں۔ در پردہ مالکوں سے ملے ہوئے ہیں۔ تنخواہ کے علاوہ نقد نرائن بھی سمیٹتے ہیں اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں دعوتیں بھی اُڑاتے ہیں۔ جب چاہا کام پر آئے اور جب چاہا چلے گئے۔ مزدوروں کو مختلف Tips دے کر وقتی طور پر بھڑکاتے ہیں تا کہ ان کے درمیان بھی بھرم قائم رہے اور پھر مطمئن کرنے کے لیے مزدوروں کو تسلی دے کر کہتے ہیں کہ تم فکر مت کرو۔ ہم زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کریں گے۔ اس کوشش میں نوکری تو کیا جان

Marfat.com

بھی جائے تو مزدور بھائیوں کے کاز (Cause) کی خاطر دریغ نہیں کریں گے۔ بس تم سب یونین کے احکامات پر دل و جان سے عمل کرنے کو تیار رہو۔

قصہ کوتاہ، مجھے نوکری کرتے چھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ ہڑتال کا بگل یونین لیڈروں نے بجا دیا۔ مزدوروں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہیں یقین واثق تھا کہ اب تنخواہ بھی بڑھے گی اور دیگر مراعات بھی! لہٰذا وہ لیڈروں کی کال پر کان لگائے رہے۔ پہلے تو لیڈروں نے آفس میں مالکوں سے مذاکرات کرنے کے نام پر افواہیں اڑائیں۔ اور پھر ایک دن سب نے دیکھا کہ لیڈروں اور مالکوں کے درمیان سب کے سامنے فیکٹری کے ایک کونے میں اختلافات کی اونچی اونچی باتیں اور دلائل جھگڑے کا سماں پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن یہ سب نورا کشتی تھی جو مزدوروں کو مطمئن کرنے کے لیے لیڈروں اور مالکوں کے درمیان گھنٹہ بھر بات ہوتی رہی۔ وہ ایک دوسرے پہ بگڑے بھی اور کھا جانے والی نظروں سے بھی تادیر ایک دوسرے کو گھورتے رہے اور چیلنج کرتے رہے اور جب جدا ہوئے تو مزدوروں کے چہروں پہ خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اب مزہ آئے گا، ہڑتال یقینی ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ لیڈروں نے دلاسا دیا کہ امید ہے کہ ہمارے مطالبات پورے کیے جائیں گے ورنہ ہر حالت میں ہڑتال ہوگی! آپ لوگ اپنا کام ایمانداری سے کریں تاکہ مالکوں کو شکایت کا موقع نہ ملے اور وہ کوئی بہانے بازی نہ کر سکیں۔ اس یقین دہانی پر مزدوروں نے لیڈروں کے فرداً فرداً نام لے کر 'زندہ باد' کے فلک شگاف نعرے لگائے اور مطمئن ہو گئے۔

پھر میں نے دیکھا کہ مالکوں نے دو قدم آگے بڑھائے، لیڈروں نے چار قدم بڑھائے اور تنخواہوں میں تھوڑی بہت بڑھوتی مل گئی تو فیکٹری مزدور لیڈروں کے لیے 'زندہ باد' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ مختلف ذرائع سے جب مجھے اس فراڈ معاملے کی جزئیات کا پتہ چلا جس میں مطالبات کا ایک چوتھائی حصہ تسلیم کیا گیا تو میں تلملا اٹھا اور اسی وقت میں نے مزدوروں کا بے لوث لیڈر بننے کا فیصلہ کر لیا اس لئے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مزدور لیڈر رلے ملے پنچوں سے رہنے والے ہیں جو جان جانے کے خطرے کے

Marfat.com

باوجود بھی سچ نہیں بولتے اور اپنا مطلب مٹھی میں رکھتے ہیں۔

تب میں نے مزدوروں کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے ان کے چھوٹے سے مجمع میں انکشاف کیا کہ تم لوگوں کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے، سخت فریب سے کام لیا گیا ہے۔ تو مزدور انگشت بدنداں رہ گئے۔ پھر کچھ عرصہ میں نے خود کو قابو میں رکھا اور جب معینہ عرصہ گزرنے کے بعد فیکٹری میں انتخابات کا غلغلہ ہوا تو میں نے پھر مزدور لیڈروں پر الزام لگا کر فیکٹری میں ہلچل مچادی اور مزدور لیڈروں نے شاطرانہ چالوں سے کام لیا مزدوروں سے برملا کہہ دیا کہ اگر انہیں ہم پر اعتماد نہیں تو بے شک مرزا شگفتہ اور اس کے پینل کو منتخب کرلیا جائے، ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ یہ تمہارے لئے سیٹھوں کو مجبور کر کے دولت کی گنگا بہاتے ہیں۔ تم لوگ سر پیٹو گے، پچھتاؤ گے۔ آخری الفاظ نے مزدوروں کے جذبات کو جیسے آگ لگادی۔ ان میں اشتعال پھیل گیا اور انہوں نے چیلنج سمجھ کر قبول کرلیا۔ اور جب الیکشن ہوئے تو ہمارا پینل جیت گیا۔ مزدوروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اب ایماندار اور ہمدرد نئے لیڈروں کے ذریعے وہ مطلوبہ نتائج ضرور حاصل کرلیں گے اور ہمارے پینل نے انہیں یقین دلایا کہ ہم حق بین ہیں، حق دباؤ قسم کے لیڈر نہیں، اس لیے ہم دوٹوک طریقے سے کھلم کھلا کام اور ڈٹ کر مذاکرات کریں گے۔ نہ ہوٹلوں میں سیٹھوں کے ساتھ ڈنر کھائیں گے اور نہ بنگلوں میں جا کر فراڈ قسم کے مذاکرات کریں گے۔ تلخ ترش سب سنیں گے اور سہیں گے اس لئے کہ دودھیل گائے کی دولاتیں بھی بھلی ہوتی ہیں۔

کچھ دنوں بعد ہی ہم نے اپنی پرکشش ڈیمانڈز کا اعلان کردیا اور مالکان کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمارے مطالبات ماننے میں پس وپیش نہ کریں۔ مزدوروں کو یقین دلایا کہ اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلا تو پھر غیر معینہ مدت کے لیے ہڑتال کردیں گے کہ سیٹھوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ خیر! جب ہم آفس میں مذکرات کے لیے گئے تو بپھرے ہوئے مالکان نے منہ پھاڑ کر ٹکا سا جواب دیا اور کہا 'تم لوگ کل سے ہی فیکٹری میں ہڑتال کرادو۔ تمہارا ایک بھی مطالبہ نہیں مانا جائے گا۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر تم

Marfat.com

لوگ ہڑتال نہ کرا سکے تو یونین کے سارے لیڈرز نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ ہم خود ایک ماہ کے لیے سیر سپاٹے اور تفریح کے لیے سوئٹزرلینڈ وغیرہ جا رہے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ تم لوگ ہڑتال کراؤ اور ہم فیکٹری کو تالا لگا کر اطمینان سے سیر و تفریح کے لیے جائیں۔

مرزا شگفتہ افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ جب پہلے ہی لقمے میں بال آ گیا تو ہم گھبرا گئے۔ رعب جمانے کے لیے ہم بہت آڑے ترچھے ہوئے لیکن وہ ذرا نہ پسیجے اور ہمیں ٹکا سا جواب دیا تو ہمارے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ جب ہم نے کھلے دل کے ساتھ مزدوروں کے اجتماع میں مالکوں کے کٹھور رویے کا انکشاف کیا تو آناً فاناً مزدور بپھر گئے کہ یہ کہاں کے لیڈر ہیں کہ مالکان ہاتھ جوڑنے کی بجائے خود کہہ رہے ہیں کہ ہڑتال ہر حالت میں کرو۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ہمارے پہلے لیڈر ہی مزدور دوست تھے اور پھر ہمارے خلاف نعرہ بازی شروع ہو گئی اور کچھ ہم پر حملہ آور ہو گئے۔ تھوڑے بہت بپھرے مزدوروں کے تو گھونسے اور تھپڑ بھی ہم سب نے کھائے۔ اب وہ ہماری کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے اس افراتفری میں کسی نامعقول مزدور نے ہمیں جو لات ماری تو ہم سیدھے سڑک پر جا گرے۔ فوراً اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور اپنے پینل کے ساتھیوں سمیت وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے!

گھر میں گھٹنے سینکتے ہوئے بڑے غور و فکر کے بعد ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پہلے مزدور لیڈر بڑے کائیاں ہیں۔ وہ فیکٹری مالکان سے اس قسم کی پختہ ڈیل شرطیہ کر چکے تھے کہ اگر ہم الیکشن ہاریں یا دستبردار ہوں تو نئے پینل کی کسی ڈیمانڈ کو تسلیم نہ کیا جائے (وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مزدور سطحی سوچ رکھتے ہیں، گہرائی میں نہیں جاتے) لہٰذا نئے لیڈروں کا جنازہ نکالنا ہمارے ذمہ! اور پھر ہم ہوں گے اور آپ مائی باپ!!!

اس طرح مجبوراً ہم نے دوسرے دن ہاتھ سے لکھ کر استعفیٰ بذریعہ ڈاک بھیج دیا اور پھر فون پر مالکان سے درخواست کی کہ سروس سرٹیفکیٹ پوسٹ کر دیا جائے کیونکہ میں فیکٹری میں آ کر بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا اور یوں مجھے فیکٹری والوں نے محنتی، ایماندار اور تابعدار ملازم کے الفاظ کا حامل سرٹیفکیٹ بذریعہ ڈاک بھیج دیا اور میں فیکٹری کی نوکری

Marfat.com

چاکری سے باعزت طور پر فارغ ہوگیا۔

یونہی مشورہ داغ دیا۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ تم پمفلٹ چھپواتے، جس میں مالکان اور فراڈیے مزدور لیڈروں کی ملی بھگت کو طشت از بام کر کے کھوئی ہوئی عزت بحال کراتے اور پھر بعد میں مال بناتے۔

شگفتہ تلخی سے بولے یعنی مزدوروں، لیڈروں اور مالکان کے مشترکہ غیض وغضب کا نشانہ بنتا اور پھر اس کے صلے میں ملتا کیا؟ زخمی ہو کر اسپتال میں پڑا ہوتا اور مزدور مجھ پر لعنتیں بھیجتے کہ خود تو ایک ڈیماند بھی مالکان سے نہیں منوا سکتا اور چلا تھا ہمارے پرانے ایماندار اور غمخوار لیڈروں کی کردار کشی کا شوق پورا کرنے۔

ہم نے تسلی دینے کے لیے کہا تمہاری سوچ مثبت تھی لیکن نتیجہ منفی نکلا۔ افسوس کہ تم جیسے مثبت سوچ رکھنے والوں کو بھی کبھی پولیس کے ڈنڈے کھانے پڑتے ہیں۔ کبھی مزدوروں کے لات گھونسے سہنے پڑتے ہیں اور زخمی ہونا مقدر ہوتا ہے، جیسا کہ تم ہوئے۔

شگفتہ افسردہ لہجے میں بولے، برادرم! ہماری قسمت میں نہ شہرت ہے نہ عزت اور نہ ہیں مال و دولت۔ ہم نے تو جب بھی درخت بوئے آم کے وہ ہوگئے ببول۔ حالانکہ ہم بہت ایماندار، حد درجہ دوسروں کے خیر خواہ اور سب سے بڑھ کر بے حد مخلص ہیں لیکن افسوس کہ پھر بھی مفلس کے مفلس ہیں!!!

سچ پوچھو تو ہم اب تنہائی میں غالبؔ کا شعر ذرا سی ترمیم کے ساتھ اکثر گنگنا کر اداسی کے کنج میں پناہ لیتے ہیں۔

ہوئے پٹ کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

.....☆☆☆.....

Marfat.com

مشورے

کسی عقلمند نے ناصح حضرات کو کیا خوب نصیحت کی ہے کہ جب تم کسی کو مشورہ دینے جاؤ تو دروازے میں ایک قدم اندر اور دوسرا باہر رکھو..... اگر مشورہ مان لیا جائے تو دوسرا قدم بھی اندر کر لو، ورنہ بصورت دیگر اندر والا قدم بھی باہر نکال کر ''آداب'' کہتے ہوئے چلتے بنو کہ خیریت اسی میں ہوتی ہے۔

لیکن مرزا شگفتہ اس صائب مشورے کی تکنیک سے متفق نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نیک مشورہ کسی کو اس وقت دینا چاہئے، جب کوئی تیسرا بیچ بچاؤ کرانے والا موجود نہ ہو ورنہ مشورہ دینا مہنگا پڑتا ہے۔ ایک قدم اندر اور دوسرا باہر رکھ کر کسی کو نیک مشورہ دیتے ہوئے یہ سمجھنا کہ مشورہ اگر قبول نہ کیا جائے تو ''آداب'' کہہ کر جان چھڑائی جا سکتی ہے تو یہ خیال خام ہے! اس نیک مشورے کے پیچھے یہ جذبہ کام کر رہا ہوتا ہے کہ اگر مشورہ سننے والا طیش میں آ کر دست و گریباں ہونے کے لئے تیار ہو تو ناصح حضرت کو بھاگنے میں فوقیت حاصل ہوگی، تو یہ اندازہ صحیح نہیں ہے!

ہم نے مداخلت کی: شگفتہ، اس مشورے میں بھاگنے والے اور دست و گریباں ہونے کا تو ذکر نہیں۔ یہ تو تم اپنی طرف سے تاویل کر رہے ہو!

تمسخرانہ لہجے میں بولے: اگر تم نے کبھی بس کا ڈنڈا پکڑ کر کھڑے ہو کر سفر نہیں کیا تو اس شخص کی بات کا ہی یقین کر لو، جو اس ابتلا سے گزر چکا ہے کہ وہ ہر صبح و شام بس کا ڈنڈا پکڑے دائیں بائیں کھڑے مسافروں کے دھکے کھا کر بھی فریاد نہیں کرتا کہ ایسا کرے تو اسے فوراً مشورہ دیا جاتا ہے کہ ہوائی جہاز نہیں تو ٹیکسی میں سفر کیا کرو برادر، اب تم کہو گے کہ جب ہم نے بس میں نہیں سفر کرنا ہے تو کیوں یقین کرتے پھریں بلاوجہ! ٹوہ لینے کے

Marfat.com

لئے پوچھا ''تم تو اکثر لوگوں کو بغیر پوچھے مشورے دیتے رہتے ہو، یہ تو ہمیں پتہ ہے لیکن.....''۔

بات کاٹ کر بولے برادر! ہم نے جس کسی کو مشورہ دیا، اچھا ہی دیا۔ اب عمل کرنے والا ہی غلط عمل کرے تو اس میں مشورے اور صاحب مشورہ کا کیا قصور! اب تم اپنی مثال لو..... تم کاہل اور سست قسم کے بندے ہو۔ میں نے تمہیں ایک دن موقع پا کر نہایت قیمتی مشورہ دیا کہ صحت گرنے سے پہلے پہلے ورزش کو زندگی کا معمول بنا لو۔ ورنہ خراب صحت مزید خراب ہو جائے گی۔ شکر ہے تم نے ورزش کے بارے میں میرے مشورے کو کارآمد جانا اور پھر حسب ہدایت صبح نہار منہ دھیمی رفتار سے دو تین میل دوڑ لگانے کا عمل شروع کر دیا۔ میں نے ورزش کے مزید فوائد بھی بتائے تھے کہ تمہارا دوران خون نارمل ہو جائے گا، چہرے پہ لالی دوڑ جائے گی، جس کی وجہ سے خوبصورت ماؤں کی لاڈلی اور نازنین بیٹیاں تمہیں چاہت بھری نظروں سے دیکھیں گی۔ میرے مشورے نے تمہیں بے تحاشہ متاثر کیا تھا، اسی لئے تم نے میرے مفید مشورے پر، آؤ دیکھا نہ تاؤ، بلا روک ٹوک اور بے دھڑک جوش میں آ کر غلط عمل کر لیا۔ چونکہ میرے مشورے کی حد کو پھلانگتے ہوئے تم زندگی میں پہلی بار اتنی تیزی سے دوڑے کہ بدقسمتی سے منہ کے بل گرے، زخمی ہوئے اور ہسپتال پہنچا دیئے گئے۔ میں تمہیں دیکھنے گیا تو کراہتے ہوئے مجھ سے الجھ پڑے کہ تمہارے غلط مشورے نے میرا یہ حال بلکہ بدحال کیا ہے کہ زخموں کی وجہ سے صبح سے کراہ رہا ہوں۔ کچھ کھانے کو جی نہیں کرتا۔ بس تم کو پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ کاش! میں تم کو اتنا پیٹ سکتا کہ میرے ساتھ والے جنرل وارڈ کے خالی بیڈ پر تم بھی میری طرح بلکہ مجھ سے بدتر حالت میں چیخ چلا رہے ہوتے، تب تمہیں غلط مشورے کا صحیح صلہ ملا ہوتا۔ اور تم آئندہ کسی الٹے سیدھے اور اوٹ پٹانگ مشورے دینے سے تائب ہو جاتے! یاد رکھو! اگر تم نے نامعقول بلکہ فضول قسم کے مشورے کسی غصیلے شخص کو دیئے اور وہ میری طرح کے المیے سے دوچار ہو کر اسپتال پہنچ گیا تو اس کی خیریت ہرگز پوچھنے مت جانا ورنہ وہ تمہیں پیٹ پیٹ کر ادھ موا کر دے گا، ہم نے شگفتہ کو ڈرایا۔

Marfat.com

مرزا شگفتہ خوب ہنسے اور ہماری بے بسی کا لطف لیتے ہوئے بولے بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ میرا مشورہ غلط تھا اور نہ تمہارا احمقانہ عمل! بس تمہاری قسمت میں ایسا ہونا تھا۔ اب میں تمہیں ایک اور کارآمد ترین مشورہ دینا چاہتا ہوں گر قبول افتد زہے عز وشرف۔ ہم نے جل کر کہا تو ایسا مشورہ دینے کے موڈ میں ہو کہ ہسپتال کی بجائے سیدھے قبر میں جا لیٹوں۔ کچھ تو دوستی کے ناطے خوف خدا کرو بے رحم شگفتہ!

ہنس کر بولے نہیں! واقعی بے حد قیمت مشورہ دینا چاہتا ہوں۔

سنجیدگی اور مسکراہٹ کی ملاوٹ چہرے پر طاری کر کے بولے: یہ تو تمہیں معلوم ہے بہت اچھی طرح کہ میں نے ہر بار بڑے دلسوز انداز میں تمہیں مشورہ دیا کہ مجھے قرض دے کر ہر ماہ معقول منافع کمایا کرو۔ تم سے پانچ ہزار روپے اُدھار مانگے کہ سال بھر بعد چاہو تو نفع کے ہزار روپے یا پھر چھ ہزار روپے کا چیک لے لینا، لیکن تم نے ہمارا نفع بخش مشورہ نہیں مانا، محض ہمیں قرض نہ دینے کے لئے! اب بھی وقت ہے، مان جاؤ میرا مشورہ!

شگفتہ کو ٹالنے کے لئے کہا ہم اکثر مقروض رہتے ہیں بھئی شگفتہ ورنہ تمہارے نمبر 2 مشورہ پر عمل کر کے یقیناً سال میں ڈھیر سارا منافع کما لیتے۔

قدرے بگڑ کر بولے: تم میں دور اندیشی کی سخت قلت ہے۔ اچھا خیر گڑھے مردے اکھیڑنے سے کیا ملے گا۔ اب بھی وقت ہے میرا سب سے ارفع ترین بلکہ بہترین مشورہ نمبر 3 مان لو۔ تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

متجسس انداز میں پوچھا 'نیا مشورہ نمبر 3، وہ کون سا؟'۔

ہاں، ہاں! بالکل انمول مشورہ، شگفتہ نے اچھل کر یوں کہا جیسے کامیابی کا پورا یقین ہو۔

تم کہو تو سہی، پھر میں کچھ فیصلہ کروں، ہم نے بے زاری سے کہا۔

بہت سیدھا سادھا سا لیکن کلاسک قسم کا مشورہ ہے میرا۔ سنا ہے کہ تم نے ایک پلاٹ لے رکھا ہے۔

Marfat.com

شگفتہ نے ہمارے سر کو دھیرے دھیرے ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا تا کہ ہم میں ترحم کے جذبات جاگ اُٹھیں۔

جی ہاں! صحیح سنا ہے تم نے، ہم نے تصدیق کی۔ پوچھا' کتنے میں خریدا تھا تم نے وہ پلاٹ'۔

تین سال پہلے دس ہزار روپے میں خریدا تھا میں نے، ہم نے جواب دیا۔ چلو میں تمہیں پندرہ ہزار روپے اس پلاٹ کے دینے کو تیار ہوں، شگفتہ مطلب کی بات زبان پر لے ہی آئے لیکن شگفتہ! وہ پلاٹ تو کتنے خریدار مجھ سے ایک لاکھ روپے میں خریدنے کے لئے بے چین ہیں اور پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ہم نے انکشاف کیا۔

یہ تمہارا خیال ہے۔ تم ہمیشہ ناجائز آمدنی کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہو۔ دس ہزار روپے کا مال ایک لاکھ روپے میں فروخت کرنا، سراسر غیر اسلامی ہے۔ شگفتہ لال پیلے ہو گئے!

اور پندرہ ہزار روپے میں فروخت کرنا! اسلام ہے؟ ہم نے طنز کیا۔ بولے: ہاں! اس لئے کہ میں خود خوشی سے نفع Offer کر رہا ہوں۔ ذرا سوچو تو دس ہزار پر حق حلال کے پانچ ہزار روپے نفع میں تمہیں مل رہے ہیں اور اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔

دوسرے بھی تو خوشی سے ایک لاکھ روپے کھڑے کھڑے دے رہے ہیں، ہم نے شگفتہ کو سلگایا۔

جی نہیں! وہ خوشی سے ایک لاکھ روپے نہیں دے رہے ہیں بلکہ دانت پیستے ہوئے اور تمہیں کوستے ہوئے دے رہے ہوں گے۔ تم ان کی مجبوری سے ناجائز تر ین فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔ جو سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔ شگفتہ نے دین کو پھر ڈھال بنایا۔

قدرے توقف کے بعد ہم نے تلخی زائل کرنے کے لئے ہنس کر کہا'' بات یہ ہے کہ میں اس پلاٹ پر قدرے اچھا مکان بنواؤں گا''۔

شگفتہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا'' اتنا روپیہ لاؤ گے کہاں سے۔ سنا ہے تم تو

Marfat.com

پہلے ہی کافی مقروض ہو!''۔

ہم نے حل بتایا ''بینک سے قرض لوں گا''۔

پیچ وتاب کھا کر بولے یعنی تم بینک سے سود پر قرضہ لو گے، جو کہ سراسر غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقہ ہے۔سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

شگفتہ کی تیوریوں کو ملائم کرنے کے لئے مشورہ مانگا ''دوسرا کوئی اسلامی حل تم ہی بتادو''۔پہلی بار چہرے پر سچی مسکراہٹ بکھیر کر بولے ''تم وہ پلاٹ مجھ کو چلو بیس ہزار روپے میں فروخت کر کے اپنا موجودہ گھسا پٹا مکان ڈھنگ سے مرمت کروالو''۔یوں دونوں مسائل خوش اسلوبی اور سب سے بڑھ کر اسلامی طریقہ سے حل ہو جائیں گے۔

ہم نے ٹوہ لینے کے لئے پوچھا ''اچھا اگر میں پلاٹ بیس ہزار روپے میں تم کو فروخت کروں تو تم اس پلاٹ کا کیا کرو گے؟''۔

مسکرا کر بولے: اپنا پرانا مکان فروخت کر کے اس پر دو منزلہ مکان بنواؤں گا''۔

لیکن تمہارے موجودہ مکان کی اتنی رقم کون دے گا۔وہ تو بہت خستہ اور ٹوٹا پھوٹا ہے۔ہم نے جواباً وار کیا۔

ہنس کر بولے ''جو تھوڑی بہت کمی رہ جائے گی وہ بینک سے قرض لے کر پوری کرلوں گا۔اب کی دفعہ ہم نے وار کیا ''یعنی تم خود بینک سے سود پر پیسہ لو گے جو سراسر غیر اسلامی ہے!''۔

مسکرا کر رازدارانہ لہجے میں بولے: یار! ہم پہلے کون سے اونچے درجے کے اور سچے پکے مسلمان ہیں، جو اتنی سی غیر اسلامی حرکت سے عوام وخواص میں بدنام ہو جائیں گے! زندگی میں کچھ اسلامی کچھ غیر اسلامی حرکتیں مجبوراً کرنی ہی پڑتی ہیں جیسے ہم تم دونوں جمعہ کی نماز کبھی کبھار پڑھتے ہیں۔لیکن عید کی کوئی نماز کبھی قضا نہیں کرتے۔ہے نا یہ بات؟

جی ہاں! ہم نے بے دلی سے تائید کی۔

Marfat.com

اور یوں ہم نے دوستی میں بال آنے سے پہلے خسارے کا سودا کرلیا یعنی بظاہر پرانی دوستی کی لاج رکھنے کی خاطر شگفتہ پر پلاٹ بیس ہزار روپے کی بجائے پچیس ہزار روپے میں لڑبھڑ کر فروخت کر دیا جو دراصل ہم نے تین ہزار روپے میں خریدا تھا اور جو آبادی سے اتنی دور ہے کہ کم سے کم پانچ دس سال تک وہاں مکمل آبادی کا ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔

مرزا شگفتہ ہماری اس اسلامی حرکت پہ ہم سے بہت خوش ہیں، باوجود اس کے کہ انہیں کوئی اس پلاٹ کے دس ہزار روپے بھی دینے کو فی الحال تیار نہیں۔ لیکن ان کا پختہ یقین ہے کہ یہ پلاٹ ایک دن پانچ لاکھ روپے میں بکے گا تب اس کو فروخت کروں گا۔

شگفتہ اس امید پر قائم ہیں لیکن روز پلاٹ کا بھاؤ نہ بڑھنے پر کڑھتے رہتے ہیں اور ہم انہیں دوستی کے ناطے جھوٹی تسلیاں دیتے رہتے ہیں۔

.....☆☆.....

Marfat.com

فوٹو.....رہے یادگار جو!

بڑی دوڑ دھوپ کے بعد بالآخر مرزا شگفتہ کو ایسا فوٹو گرافر مل ہی گیا جو اس کی فوٹو اس کے نام کی طرح شگفتہ اور ہنستی مسکراتی کھینچ سکے! جس دن فوٹو گھر لائے اسی دن پرانے فوٹوؤں کو یکے بعد دیگرے چولہے میں ڈال کر جلا دیا تو ہمیں زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ وہ عرصہ دراز سے فوٹو گرافروں کے خلاف جلے بھنے بیٹھے تھے۔ کیونکہ ایک مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ ایک نااہل فوٹو گرافر نے بار بار اس کے چہرے کو دائیں بائیں اور پھر اوپر نیچے کر کے اتنا دق کیا کہ شگفتہ نے غصے میں کہا: میں خود جیسا بیٹھا ہوں، ویسا فوٹو نکالو۔ میری گردن موڑنے توڑنے کی ضرورت نہیں۔ فوٹو گرافر نے بھی قدرے تلخ لہجے میں کہا: پھر گلہ نہ کیجئے گا کہ یہ میرا فوٹو نہیں، کوئی کارٹون ہے۔ شگفتہ کہتے ہیں کہ میں غصے میں پھکنے لگا لیکن ضبط کر گیا۔ دوسرے دن جواس نے فوٹو میرے حوالے کیا تو دل چاہا کہ اس کا منہ نوچ لوں اور کیمرہ اٹھا کر سڑک پر پھینک دوں۔ لیکن اس کی طنزیہ مسکراہٹ کو نظر انداز کر کے باہر نکلا اور فوٹو کے پرزے پرزے کر کے اس کی دکان کے سامنے بکھیر دیئے تا کہ اس سے فوٹو کھنچوانے والے عبرت حاصل کریں! شگفتہ کی اٹل رائے ہے کہ میرا آج تک کوئی فوٹو بھی ایسا نہیں کھینچا گیا تھا جسے فریم کر کے کمرے کی دیوار پر ٹانگ سکتا، تا کہ رشتہ دار خواتین، خصوصاً مجھ سے کم عمر یا ہم عمر لڑکیاں اسے دیکھ کر دم بخود رہ جاتیں! بقول خود نہ وہ فوٹو جینک چہرے کے مالک ہیں، لیکن ماہر فوٹو گرافروں کی شدید قلت کی وجہ سے وہ اپنی رقم عرصہ تک ڈبوتے رہے۔ اپنی پہلی محبت کی ناکامی بھی وہ ایک نااہل فوٹو گرافر کے سر تھوپتے ہیں۔ جن کا کھینچا ہوا فوٹو انہوں نے اپنی پسندیدہ لڑکی کے والدین کی نذر، اپنے والد صاحب کے ذریعے سے کیا تھا تا کہ پسند کر کے وہ اسے اپنی دامادی میں لینے پر

Marfat.com

آمادہ ہو جائیں لیکن افسوس کہ انہوں نے طیش میں آکر فوٹو دیکھنے کے بعد دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ انہیں Original شگفتہ کو دیکھنے کی کوئی حسرت نہیں! اور یوں ان کے بقول: پہلی محبت ہی بری طرح فلاپ ہوگئی تھی!

کچھ عرصہ پہلے جب ہم نے انہیں دلاسا دیا تھا کہ کبھی کبھی تو کوئی قابل اور ماہر فوٹوگرافر انہیں نصیب ہو ہی جائے گا تو انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ انہوں نے شکوہ کیا تھا کہ ماہر اور ذہین فوٹوگرافر پاکستان میں اتنے بھی نہیں کہ انگلیوں پر گنے جاسکیں۔ لیکن جب انہیں مطلوبہ فوٹوگرافر مل گیا تو مسکراتے ہوئے انکشاف کیا کہ مسلسل چھ ماہ کی محنت اور تلاش اور سخت جستجو کے بعد ایسا فوٹوگرافر مل سکا، جسے فوٹو کھینچنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ اگر یہ بھی نہ ملتا تو مجھے مرتے وقت بے حد افسوس ہوتا!

سنجیدگی سے پوچھا: بھلا فوٹو سے تمہارے مرتے وقت افسوس کرنے کا کیا واسطہ؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔ سرد آہ بھر کر دھیمے لہجے میں بولے: پاکستان میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً موت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کیا پتہ کب کوئی نشے میں دھت ڈرائیور غصے سے یا جان بوجھ کر بس/رکشا/ٹیکسی/کار سمیت مجھ پر چڑھ دوڑے اور پولیس کے ہوتے ہوئے سکون سے فرار ہو جائے۔ لہٰذا اب اتنا اطمینان تو ہو گیا ہے کہ میری موت ایک گمنام انسان کی موت نہیں ہوگی!

کیا مطلب؟ متعجب ہو کر پوچھا۔

گھمبیر لہجے میں بولے: میں اپنوں کو نصیحت وصیت کر دوں گا کہ جونہی میری سڑک یا فٹ پاتھ پر ایکسیڈنٹ میں انا اللہ ہونے کی خبر سنیں، فوراً ہر اخبار کو یہ ہنستی مسکراتی فوٹو فراہم کر دینا تاکہ شائع ہو اور دشمن اس بات پر جل کر کباب بلکہ چپل کباب ہوں کہ شگفتہ اس جہان فانی دے ایمانی سے رخصت ہونے کے باوجود بھی کس دیدہ دلیری سے اپنے مخالفوں اور موت کی ہنسی اڑا رہا ہے! بخدا، اس افراتفری کے دور میں گمنام موت مرنا نہیں چاہتا کہ کوئی مجھے دولت مند سمجھ کر اغوا کر کے لے جائے اور دھمکی آمیز لہجے میں پوچھنے پر صحیح جواب دوں کہ میں فقط سفید پوش ہوں، کوئی دولت وولت نہیں ہے میرے

Marfat.com

پاس.....اور وہ میری بات کا یقین نہ کر کے بے تحاشہ پٹائی کر کے ادھ موا کر دیں اور میں بعد میں ہسپتال میں انا للہ.....لہٰذا یہ یادگار عمدہ فوٹو چھوڑ جاؤں گا کہ دوستوں کو خوشی اور دشمنوں کو جلانے کے اسباب میرے مرنے کے بعد بھی ختم نہ ہوں۔ ایسے ہی موقع کے لئے میں نے کیا خوب مصرع کہا ہے:

ایسا فوٹو چھوڑ چلو، رہے یادگار جو

اب میں اس ایک ہی پوز کے درجنوں فوٹوز بطور امانت گھر میں رکھ دوں گا تا کہ اخبار والوں کو میرے حادثے کی خبر شائع کرنے کی خاطر میرے فوٹو کے لئے دوڑ دھوپ نہ کرنی پڑے! مزہ لینے کے لئے کہا: خبر بغیر فوٹو کے بھی تو شائع ہو سکتی ہے۔ بگڑ کر بولے: ایسے اخبار کی قدر و منزلت نہیں ہوتی، جس میں حادثے کی مزیدار خبر کے ساتھ ایک دو حادثوں کی دلکش فوٹوز وغیرہ نہ ہوں۔

اور واقعی مرزا شگفتہ نے وہ فوٹوز بڑی احتیاط سے پلاسٹک کور میں رکھ دی ہیں تا کہ ایمرجنسی کی صورت میں رشتہ داروں، بہی خواہوں، غم خواروں اور اخبار والوں کو تکلیف نہ ہو۔ ساتھ ہی کچھ رقم بھی بطور امانت رکھ دی ہے تا کہ اخباری نمائندوں کی چائے بسکٹ، پیٹیس، وغیرہ سے تواضع کی جائے اور اس دوران اس کی سیرت کے چھپے گوشے ان پر بے نقاب کئے جائیں، جیسے مرحوم مرزا شگفتہ پاکباز، پرامن، تعلیم کے خیر خواہ، غریبوں کا غم کھانے والے اور ہمدرد ہونے کے باوجود پڑوسیوں سے میل جول بڑھانے سے اس لئے گریزاں رہتے تھے کہ کسی دن ان میں سے کسی سے خوامخواہ کا لڑائی جھگڑا نہ کر بیٹھیں۔ غالبؔ تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے یعنی ایسی عجیب و غریب موت:

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کوئی مرزا ہوتا

اس کے برخلاف شگفتہ نے تو بقائے جہاں کا پورا سامان تیار کر کے رکھ دیا ہے موڈ میں آ کر اکثر کہتے ہیں کہ ایسی دور اندیشی آج تک کسی عقلمند انسان کو نہیں سوجھی ہوگی!

مرزا شگفتہ کے کردار کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ اکثر ضد میں آ کر بہت کچھ

Marfat.com

کر بیٹھے ہیں۔ دراصل انہیں دوسروں کو ستانا، جلانا اور طیش دلانا صرف اس لئے اچھا لگتا ہے کہ وہ دوسروں کی نظروں میں قابل توجہ بنے رہیں۔ اگر چپ چاپ اور شریفانہ زندگی بسر کی جائے تو غیر تو غیر اپنے رشتہ دار بھی توجہ نہیں دیتے کہ کیا بور اور مغرور شخص ہے۔ لہٰذا طیش میں آکر خود کو ایک نامی گرامی اور ماہر فوٹو گرافر کہلوانے کے لئے ایک عام سے فوٹو گرافر کی شاگردی اختیار کر لی۔ لیکن شگفتہ کو متاثر کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، لہٰذا وہ اپنے استاد کی قابلیت سے متاثر نہ ہوئے، جس کی وجہ سے پہلے تو چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوئیں اور پھر ایک دن ان سے منہ ماری کی ایسی نوبت آئی کہ بات گالی گلوچ تک جا پہنچی۔ شگفتہ نے طیش میں آکر استادی شاگردی کا ناطہ توڑ کر خود ایک ماہر فوٹو گرافر بننے کے لئے استاد کے بالکل سامنے فوٹو گرافی کی دکان کھول لی تا کہ جب بھی غصہ آئے تو نالائق استاد کو دیکھ کر اسے برا بھلا کہہ کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکیں!

مرزا شگفتہ نے تھوڑے ہی عرصے میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ اب وہ اپنے آپ کو ملک کا واحد فوٹو گرافر گردانتے ہیں، جن پر فوٹو کھنچوانے والے نے بھی کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اس میں حیرت کا پہلو ان لوگوں کے لئے ضرور ہے جو شگفتہ کی فوٹو گرافی کے رموز سے واقف نہیں۔ ہم چونکہ ان کے لنگوٹیے یار ہیں لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ وہ حرف بہ حرف صحیح فرماتے ہیں۔ کیونکہ وہ صرف ان کی فوٹوز کھینچتے ہیں جو انسان تازہ بتازہ انا للہ ہوئے ہوں۔ ان کا طریقہ بزنس بھی عجیب ہے۔ جونہی کسی علاقے کی مسجد میں کسی کے فوت ہونے کا اعلان ہوتا ہے تو وہ دوڑے دوڑے وہاں پہنچ جاتے ہیں اور اپنی بے لوث اور ماہرانہ خدمات نہایت مؤدبانہ طریقے سے پیش کر کے یوں قائل کرتے ہیں کہ" مرنے والا تو اس دنیا سے چل بسا، اب اس کے لواحقین کا اولین فرض ہے کہ انہیں سپرد خاک کرنے سے پہلے، فوٹو کھینچے کا انہیں سنہری موقع دیا جائے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے کھنچے ہوئے فوٹوز ہمیشہ تروتازہ رہتے ہیں اور جب بھی کسی کو مرحوم یا مرحومہ کی یاد ستائے تو اس کے کھنچے ہوئے فوٹوز دیکھ کر ہر کوئی پکار اٹھے گا کہ یقیناً مرنے والا/مرنے

Marfat.com

والی ان کے سامنے جیتا جاگتا موجود ہے" اور سچ پوچھئے تو ان کی تکنیک بھی بڑی دلچسپ ہے۔ یعنی مردہ چارپائی پر پڑا ہے۔ کوئی مرحومہ/مرحوم سے اپنے تعلقات کی مختصر ترین الفاظ میں بیان کے دوران سسک سسک کر رو رہا ہے اور شگفتہ مختلف زاویوں سے ان کو ہٹاتے، دھکیلتے اور پھنکارتے ہوئے، کبھی ٹیڑھے ہو کر، کبھی بیٹھ کر اور کبھی تقریباً ساتھ والی چارپائی پر دراز ہو کر ایسے فوٹوز لیتے ہیں، جن میں مرحوم/مرحومہ ہنستی مسکراتی نظر آئے!

اکثر فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ انسان پیدا ہوتے ہی بلاوجہ چیخ چیخ کر روتا ہے اور پھر جب مرنے لگتا ہے تب بھی ہچکیاں لے لے کر یا سسکیاں بھر بھر کر خود بھی روتا ہے اور دوسروں کو بھی رلاتا ہے۔ لیکن میرے فوٹوز اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ مفروضہ سراسر غلط ہے اس لئے کہ میرے مرحومین کے فوٹوز اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ وہ کم سے کم اس نابکار و بکار اور ناہنجار و بیمار دنیا سے جاتے وقت تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ چلو مصائب اور آلامِ دنیا سے جان چھوٹی!

مرزا شگفتہ کو ہم نے متعدد بار مجبور کیا کہ وہ چند زندہ دوستوں کے فوٹو لیں، لیکن وہ اپنے اصول پر قائم رہ کر برابر انکار کرتے رہے۔ دلیل یہ دیتے کہ زندہ لوگوں کے فوٹوز کھینچنا، نازیبا اور تنقیدی آراء کو برداشت کرنا میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ کیونکہ تقریباً ہر ایک بے رحم نقاد کی طرح معترض ہوتا ہے کہ میرے ناک ٹھیک نہیں آئی، آنکھیں مرجھائی مرجھائی سی کیوں ہیں؟ منہ روٹھا روٹھا سا کیوں لگتا ہے؟ گالوں میں ننھے ننھے گڑھے کہاں سے آ گئے؟ (اب پچکے ہوئے آم کی طرح چہرہ تبدیل تو نہیں کر سکتا) ماتھا اتنا لمبا چوڑا اور بال اجڑے اجڑے سے کیوں لگتے ہیں؟ غرض زندہ شخص کسی فوٹو گرافر سے بمشکل مطمئن ہوتا ہے۔ اسی لئے میں دنیائے فانی سے سدھارنے والوں کی فوٹوز کھینچتا ہوں کیونکہ اس کے لواحقین اور جان پہچان والے بھی معترض ہونے سے اجتناب کرتے ہیں تاکہ مرنے والے/والی کی روح بعد از مرگ اپنے خراب فوٹوز آنے پر بھٹکتی نہ پھرے!

Marfat.com

کافی سوچ بچار کے بعد ہم نے ایک ترکیب سوچی تا کہ شگفتہ ہماری فوٹوز ہر حالت میں لینے پر آمادہ ہو جائیں۔ لہٰذا ایک دن ہم نے ان سے کہا کہ بھئی شگفتہ! ہم عنقریب خفیہ طریقے سے لانچ کے ذریعے دبئی جانے والے ہیں تو وہ ہمیں حیرت یا حسرت سے..... بہرحال دیکھنے بلکہ گھورنے لگے۔ ہم نے اسے بھی دعوت دی کہ وہ چاہیں تو انتظام وغیرہ ہوسکتا ہے سنجیدگی سے بولے: میں دبئی وبئی جانے کا شوقین نہیں برادر! اور پھر خفیہ طریقے سے لانچ کے ذریعے جانا، ملک الموت کو دعوت شیراز دینے کے برابر ہے۔ تم میرے عزیز دوست ہو۔ صرف تمہاری خاطر میں اپنا اصول توڑ رہا ہوں اور جانے سے پہلے سارے لنگوٹیے یار دوستوں کے ہنستے مسکراتے چند فوٹوز لینا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ تم لوگوں کی لانچ ڈوب ووب گئی تو میرے پاس ایسا کیمرہ نہیں کہ سمندر کی تہ میں جا کر تم لوگوں کے ہنستے مسکراتے فوٹوز لے سکوں!

ہم بہت خوش ہوئے۔ بالآخر ایک دن وہ ہم تین خاص دوستوں کو لے کر کلفٹن کے ساحل پر پہنچے۔ دن کا ایک بجا تھا اور مئی کا مہینہ۔ گرمی اتنی شدید کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سر پر پانی کے لوٹے انڈیل رہا ہے۔ شگفتہ دو اڑھائی گھنٹے تک مختلف زاویوں سے کھڑا اور بیٹھنے کی ہدایت دے دے کر، بلکہ بے تحاشہ چیخ چیخ کر، ہمیں ادھ موا کر دیا، تب کہیں جا کر کچھ فوٹوز کھینچے گئے۔ ہم تینوں شگفتہ کے بہت شکر گزار ہوئے اور خوش تھے کہ آخر وہ زندوں کے فوٹوز نہ اتارنے کی قسم توڑ بیٹھے!

دوسرے دن معلوم کیا تو شگفتہ منہ لٹکائے ہمارے لنڈے سے تازہ ترین خریدے بوٹوں کو گھورنے لگے۔ مسکرا کر پوچھا: فوٹوز تو خوبصورت آئے ہیں ناں شگفتہ بھائی؟

آہ سرد بھر کر بولے: ''فوٹوز آئے ہی نہیں!''

کیا مطلب؟ حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ کیمرے میں فلم ہی نہیں تھا، فوٹوز کہاں سے آ گئے، گھمبیر لہجے میں انکشاف کیا۔

Marfat.com

سچوایشن کے لحاظ سے ہمیں شگفتہ پر برسنا چاہئے تھا لیکن ہمیں افسوس ہوا، اس بات کا کہ شگفتہ نے بھری دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں ہم پر کتنی محنت کی خود پسینہ پسینہ ہوئے اور ہمیں بھی پوز بنوانے کے لئے اتنی سخت محنت اور ورزش کرائی کہ ہماری شلوار تک پسینے میں شرابور ہوگئی۔ انہوں نے تو ہر ممکن کوشش کی کہ ہمارے اچھے فوٹوز آئیں لیکن.....

واہ ری قسمت!

مرزا شگفتہ کی زندوں کے فوٹوز نہ کھینچنے کی قسم قائم رہی!!

.....☆☆.....

Marfat.com

کچھ بیمے کے حوالے سے

مرزا شگفتہ کسی بیمہ کمپنی سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود بھی، بیمے کی افادیت کے بڑے مداح ہیں۔ اکثر دوستوں کو بیمے کی برکتوں اور فوائد پر گھمبیر لب و لہجے میں روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ انہیں اچانک موت کی گرفت میں آنے سے ڈراتے اور مستقبل میں ہونے والی مہنگائی کے عفریت کی تصویر اتنے بھیانک لب و لہجے میں کھینچتے کہ کمزور دل تو اکثر اپنا بیمہ کرا کر پُرسکون ہو جاتے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ خود اپنا بیمہ انہوں نے آج تک نہیں کروایا، اور بیوی نے اسے اپنا بیمہ کرانے کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ اسے جائز خدشہ ہے کہ اس طرح تو شگفتہ نماز نہ پڑھنے کے باوجود بھی، ہر اذان کے بعد اس کے جلد از جلد انا للہ ہونے کی دعائیں مانگنے لگے گا تا کہ بیمہ کی صورت میں ملنے والے نقد نرائن سے تہی دستی کے بوجھ تلے دبی ہوئی حرص و ہوس کی اپنی بے لگام خواہشات کی جی کھول کر تکمیل کر سکے۔

ایک دن ہم نے آڑے ہاتھوں لیا، شگفتہ اپنا بیمہ کروالو اور اپنی نصف بہت کا بھی، جسے تم غصے سے بیگم کی بجائے ''بے غم'' کہتے ہو۔ حالانکہ وہ بیچاری تو ہر وقت اس اندیشہ سے گھلتی رہتی ہے کہ کہیں تم دوسری شادی کر کے تنگدستی کے ہاتھوں اپنے وطن عزیز کی طرح ناقابل برداشت حد تک مقروض نہ بن جاؤ۔ کسی مغرور حسینہ کی چاہت میں گرفتار ہو کر رات رات بھر کروٹیں بدلنے اور آہیں بھرنے کی وجہ سے بے خوابی کا شکار نہ ہو جاؤ۔ کہیں ایسی ویسی جگہ جانے کا چسکہ نہ پڑ جائے جہاں پولیس دل پسند الزام میں دھر کر بآسانی جیب خالی کرا لے۔ لہٰذا ایسی ہمدرد، دور اندیش اور غمگسار بیوی کو ''بے غم'' کہنا کچھ جچتا نہیں!

Marfat.com

قدرے برامان کر بولے: میں نے اس کا نام ''بے غم'' صحیح رکھا ہے کیونکہ اسے مستقبل کی کوئی فکر نہیں، بلکہ حال کے لمحے میں گھلتی رہتی ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی ہے کہ وہ بیمہ زندگی کرانے پر رضا مند ہو جائے تا کہ میں کچھ اپنے سہانے خوابوں اور شاندار مستقبل کے بارے میں اطمینان سے سوچ بچار کر کے چہرے سے فکر مندی اور تنگدستی کی گرد جھاڑ سکوں، لیکن تا حال کامیابی کی دھندلی سی تصویر نظر نہیں آئی۔ تجویز پیش کی: تم پہلے ہنسی خوشی اپنا بیمہ کروالو، بعد میں بیوی کو اپنے بیمے کے کاغذات دکھا کر قائل کر لینا۔ یوں جب تم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہو جاؤ گے تو کوئی بھی اپنی زندگی کی کشتی کو ڈبونے کا خطرہ جان بوجھ کر مول لینے سے گریز کرے گا۔

فکر مند لہجے میں بولے: صاحب! میں تو پہلے ہی خاصا مقروض ہوں، بالفرض اپنا بیمہ کروالوں اور ''بے غم'' اپنا بیمہ کرانے سے انکار کر دے تو لامحالہ میری رقم ڈوب جائے گی۔ اس لئے کہ جب میری ''بے غم'' اپنا بیمہ کرانے کو اچانک اناللہ ہونے کا پیش خیمہ سمجھتی ہے تو میں کس طرح چوکنا نہ رہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ خائف رہتی ہے، حالانکہ میں چوری چھپے چھوٹے موٹے گناہ، بلکہ گناہ بھی کیا دل لگیاں کہہ لیجئے، کرتا ہوں تو وہ ہر صبح شام ڈرتی ہے کہ کہیں اچانک بلا سوچے سمجھے میں دوسری شادی نہ کر بیٹھوں اور گھر میں مزید بے سکونی کی گھمبیر فضا کا راج ہو جائے۔

ہم نے سمجھایا: شگفتہ! آپس کی یہ گھریلو چپقلش اچھی نہیں ہوتی کہ گھر میں امن کی فضاء درہم برہم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے دل میں موجود تھوڑی بہت محبت میں بھی دراڑیں ڈالتی ہے، جس کے نتیجے میں پڑوسی ہر شام متوقع رہتے ہیں کہ اب کہ تب الزامات سے بھرپور ڈرامہ میاں بیوی میں شروع ہوگا اور وہ مزا لوٹیں گے۔ سب سے زیادہ یہ کہ خیر و برکت گھر میں نہیں رہتی۔

شگفتہ مایوسانہ لہجے میں بولے: ہاں بھئی! یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ مقروض رہتا ہوں۔ قرض خواہوں سے اکثر چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ آفس کے ساتھیوں سے ان بن کی وجہ سے منہ پھلائے رکھتا ہوں۔ رشتہ داروں کو میں اس لئے منہ لگانے سے

Marfat.com

گریز کرتا ہوں کہ وہ قرض مانگنے پر عجیب وغریب بہانے بازی سے کام لے کر یوں گھٹیا تاویلیں پیش کرتے ہیں جیسے وہ خود فاقے کر رہے ہوں، لیکن شکوہ زبان پر لانے سے شرم کے مارے گریزاں ہوں۔ حتیٰ کہ بیوی بھی مجھ سے یوں سہمی سہمی رہتی ہے جیسے کبوتر بلی سے کانپتا رہتا ہے۔ میں مجبوراً اس نامعقول طرز عمل پر اسے ڈانٹتا ڈپٹتا رہتا ہوں۔ اور جب وہ اپنی نازیبا روش نہیں بدلتی تو آخری حربے کے طور پر اسے دو چار کرارے ہاتھ بھی رسید کر دیتا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ خود کو بھی صراط مستقیم پر چلانے کی کوشش میں اونچی، نیچی پگڈنڈی پر جا نکلتا ہوں۔ نیک بننے کی تدبیریں کرتے کرتے بدی کی طرف مڑ جاتا ہوں۔ بری عادتوں سے چھٹکارا پانے کے جتن سے نجات حاصل کرنے کے لئے یکمشت نیند کی ڈھیر ساری گولیاں کھا کر اس جہانِ پریشان سے منہ موڑنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن پھر بیوی کا خیال آجاتا ہے کہ مجھے جی بھر کر رونے دھونے اور بال نوچنے سے چھٹکارا پانے کے بعد پھر وہ کیا کرے گی؟ غرض میری ہر تدبیر کا نتیجہ الٹ ہوتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، کہاں جاؤں اپنے آپ کو کیسے سدھاروں؟

ہم نے مشورہ دیا: ایسی صورت میں تو تم دونوں میاں بیوی کو اپنا اپنا بیمہ کرا لینا چاہئے تاکہ بے اعتمادی کی گھر پر چھائی کالی گھٹا چھٹ جائے اور بھروسے کی روشنی پھیل کر دونوں کو خوشی کے لمحات سے آشنا کر دے۔ میرے منہ میں خاک، کل کلاں اگر تم میں سے ایک قبر کو پیارا ہو جائے تو قرض خواہ گھر کا سارا نیا، پرانا فرنیچر اور ساز وسامان جھاڑ و پھیر کر تو نہ لے جائیں۔ بیمہ ہوگا تو خاصی رقم مل جائے گی۔ جس سے وہ یا تم قرض بآسانی ادا کر سکو گے اور قرض کی نوبت نہیں آئے گی۔

تیز لہجے میں بولے: اجی میں نے تو تہیہ کر لیا ہے کہ جونہی بیوی رضائے الٰہی سے جنت الفردوس سدھاری تو میں نوکری کو لات مار کر بیمے کی رقم وصول کر کے راتوں رات گھر سے رفو چکر ہو جاؤں گا، اور قرض خواہ ہاتھ سے پاؤں ملتے رہ جائیں گے۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ میرے گھر میں ایسا کوئی قیمتی سامان نہیں جسے قرض خواہ ہتھیا کر اطمینان کا سانس لے سکیں گے۔ پھر مکان کرائے کا ہے۔ تالا لگا کر جاؤں گا تو مالک مجھے ڈھونڈتا

Marfat.com

پھرے گا کہ کہاں غائب ہو گیا مرزا شگفتہ! مجھے یقین واثق ہے کہ وہ کسی قرض خواہ کو میرے گھر کا تالا توڑنے کی اجازت نہیں دے گا کیونکہ اسے جائز ڈر ہوگا کہ کہیں شگفتہ واپس آ کر لاکھوں روپے نقد پرائز بانڈ، آدھا کلو 24 کیرٹ کا سونا اور فلولکھا ہار کے چوری ہونے پر اس پر دعویٰ کر کے مکان پر قبضہ نہ کر بیٹھے!

لیکن خدا نہ کرے میں پہلے چل بسا تو وہ یعنی ''بے غم'' مفت میں ماری جائے گی، کیونکہ بیمہ کی پوری رقم بھی قرض اتارنے کے لئے ناکافی ہوگی!!

متجسس انداز میں پوچھا: کیوں بھلا؟

رازدارانہ لہجے میں بولے: صاحب! کچھ قرض خواہ تو ایسے ہیں جن سے قرض لے کر میں گھر کا خرچ ورچ چلاتا ہوں اور بیوی کو مطلع کر دیتا ہوں لیکن کچھ خاص خرچ ایسے ہیں جو بیوی کو ہرگز نہیں بتاتا ان قرض خواہوں کی رقم میرے انا للہ ہونے پر ڈوب جائے گی اور ڈوبنا کیا معنی! وہ میری ''خاص زندگی'' کا پورا خاکہ تفصیل کے ساتھ میری بیوی اور رشتہ داروں پر ظاہر کر کے، پہلے تو میری کردار کشی کریں گے اور اس کے بعد قرض وصول کرنے کی کوشش کریں گے۔ یوں ''بعد از جوان مرگ'' میں خاصا بدنام ہو جاؤں گا!

ہم نے سمجھایا: تو پھر ''خاص خرچ'' کم کرتے کرتے ختم کر دو اس طرح کم مقروض ہوں گے اور گھریلو جھگڑے بھی کم ہو جائیں گے اور پھر بیمہ کی رقم ملنے پر قرض خواہوں میں بٹنے کا خدشہ بھی نہیں رہے گا! بگڑ کر بولے: تمہارا مطلب ہے میں دنیا کی چار روزہ زندگی میں اپنے دل کی بھڑاس بھی نہ نکالوں اور انا للہ ہو کر بیوی کو ہنستا مسکراتا چھوڑ کر بیمہ کا حقدار بنا جاؤں۔

ہم نے افسوس ظاہر کیا: شگفتہ کچھ تو خوف خدا کرو بیوی کے حق میں اتنے ہلاکو نہ بنو..... آخر تمہارے بعد اُسے بھی جینے کا حق ہے۔ اگر وہ تمہاری زندگی میں ہزاروں روپوں کو ترستی رہی تو کم سے کم ''تمہارے منہ میں خاک'' تمہارے انا للہ ہونے پر تو یہ خوشی حاصل ہو سکے!

بگڑ کر بولے: میری ''بے غم'' سے ہمدردی کا شکریہ! لیکن میں اپنا نظریہ زندگی

Marfat.com

یعنی بڈھا کھوسٹ ہونے تک جیئے جانے کی اُمید کو نہیں چھوڑ سکتا۔ زندگی کا بھرپور ''مزا'' لینے کے خیال سے ہی میرا سیروں خون بڑھ جاتا ہے!

ہم نے کریدنا چاہا: مگر زندگی پر تو کسی کا بس نہیں چلتا۔ تمہارے نظریہ زندگی کا کیا معنی؟

شانت ہو کر مطمئن لہجے میں بولے: برادر! اب ذرا کان لگا کر میری باتیں سنو..... میرے ایک ''اس بازار'' کا چسکہ ڈالنے والے دوست نے اپنا اور بیوی کا بیمہ کرایا۔ بیوی جب بیمار پڑتی تو شوہر بیچارہ دوڑا دوڑا اچھے سے اچھے ڈاکٹر کے پاس بیوی کی کیفیت بتا کر دوا دارو لے آتا اور عموماً بیوی کی خواہش پر اسے بھی ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔ لیکن اُس بیمہ شدہ بیوی کا شوہر پر شک وشبہ ہمیشہ قائم رہا۔ اُسے خدشہ تھا کہ پہلے تو وہ اس کے جیتے جی ہی دوسرا بیاہ رچا لے گا تا کہ وہ صدمے سے جلد انا للہ ہو جائے، ورنہ اس کے مرنے پر فوراً دوسری شادی کر کے اُسے بالکل بھول بھال جائے گا اور یہ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی! وہ جب بھی بیماری پڑتی اور شوہر دوا لا کر دیتا تو ضرور پوچھتی:

''یہ ٹھیک کرنے کی ہی دوا ہے ناں؟''

''ہاں بیگم! یہ پی لو تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گی''۔ وہ پیار سے جواب دیتا لیکن بیوی کا شک کبھی رفع نہ ہوا۔ اُسے ہر بار یہی خدشہ لگا رہتا کہ کہیں دوا میں کچھ ملا ولا کر پلا نہ دیا جائے۔ اور جب کبھی ان دونوں میں کسی معمولی بات پر بھی ''منہ ماری'' ہو جاتی تو بیوی زیادہ چوکنا ہو جاتی اور طبیعت خراب ہونے پر بھی دوا کھاتی اور نہ شوہر سے منگواتی شوہر کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھی اس لئے نہ جاتی کہ کیا بھروسہ اس سے مل ملا کر اسے زہریلا انجکشن نہ لگوا دے غرض وہ بھوکی پیاسی رہتی لیکن شوہر کے ہاتھ کی کوئی چیز نہ کھاتی نہ پیتی اور یوں دن بدن کمزور ہوتی چلی جاتی۔ لیکن اسے اپنی صحت کی فکر نہیں تھی اور نہ یہ خیال کہ شوہر بیچارہ صاف دل ہے اور اسے بے حد چاہتا ہے کہ وہ اس کی پسند کی شادی تھی۔ شک کا علاج تو لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا تو اس بیچارے کی کیا اوقات تھی!

غرض بیمہ کرانے کے بعد پیار و محبت سے رہنے سہنے والے میاں بیوی اکثر

Marfat.com

لڑتے جھگڑتے اور بیوی کو ہمیشہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ آج مری یا کل!

ہم نے کہانی سن کر کہا: لیکن شگفتہ! تمہارا معاملہ تو اُلٹ ہے.....یعنی بیمہ نہ ہونے کی وجہ سے تم دونوں میں ان بن رہتی ہے۔اس سے تو یہ نتیجہ با آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر تم دونوں بیمہ کرا لو تو گھریلو زندگی شاید سدھر جائے! شگفتہ پہلے تو ہمیں کافی دیر تک صرف گھورتے رہے اور جب ہم نے کوئی سوال جواب کا ڈول نہ ڈالا تو ہلکا سا مسکرا کر بولے: کہتے تو تم ٹھیک ہو۔غور کروں گا۔آخری بیوی کے اچانک اناللہ ہونے کا کچھ فائدہ تو مجھے حاصل ہو!!

.....☆☆.....

Marfat.com

دیدہ دانستہ

مشہور جرمن فلسفی کانٹ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وقت کے اتنے پابند تھے کہ لوگ اسے دیکھ کر گھڑیاں ٹھیک کر لیتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ ٹھیک وقت پر نہ پہنچے ہوں۔ لوگ گھڑیوں کا اتنا اعتبار نہیں کرتے تھے جتنا کانٹ کا! لیکن ایک ہمارے دوست مرزا شگفتہ ہیں، جو بزعم خود: بیدار مغز اور وقت کے بڑے پابند ہیں، لیکن عموماً دیر ہونے کی صورت میں قابل یقین تاویل پیش کرنے میں جواب نہیں رکھتے۔ وہ دیدہ دانستہ غلط بیانی کا سہارا لے کر اپنی کھال بچانے کے لئے ہر حربہ، ہر پینترے اور ہر حیلے بہانے سے کام لیتے ہیں..... ایک مرتبہ جب ہمیں لذت انتظار کا ڈیڑھ دو گھنٹہ تلخ مزا چکھانے کے بعد دیر سے پہنچے تو پسینے میں شرابور تھے اور سانس پھولی ہوئی۔ آتے ہی معذرت کی: معاف کرنا ذرا لیٹ ہو گیا۔ دراصل میری گھڑی بند تھی اور اس کا پتہ مجھے اب چلا ہے یہ کہہ کر انہوں نے گھڑی والا ہاتھ ہمارے بالکل ناک کی سیدھ میں گھونسہ مارنے کے انداز میں تان کر، قائل کرنے کے لئے تمسخرانہ انداز میں بولے: میرا یقین نہیں تو خود دیکھ کر اطمینان کر لو! ان کی بند گھڑی میں واقعی ان کے چہرے کی طرح بارہ بجے تھے حالانکہ وقت دوپہر دو بجے کا تھا۔

سینما ہاؤسز کے باہر پوسٹرز میں نیم عریاں مونی تازی ہیروئن کو چند لمحے خوب گھور کر دیکھنے کے بعد، ٹھنڈی سانس بھر کر مصنوعی غصے میں پھنکارے، میں نے تمہیں بے شمار مرتبہ کہا ہے کہ مجھے ایسی واہیات، اخلاق و جذبات سوز فلموں سے چڑ ہے اور میرا بلڈ پریشر بے تحاشہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن تم مجھے ہمیشہ ایسے سینما میں فلم دیکھنے کی دعوت بلکہ لالچ دیتے ہو؟ جس کے راستے میں ایسے بہت سے سینما ہاؤسز آتے ہیں، جن میں زیر

Marfat.com

نمائش فلموں کی ہیروئن اور سائیڈ ہیروئن کے بہکانے والے رنگین نیم عریاں پوسٹرز جس میں اٹھتی جوانی کی ساری ڈھکی چھپی نشانیوں کو ٹیڈی لباس سے اُبھار اُبھار کر عام دعوت نظارہ دے رہے ہوتے ہیں۔ اب میں بندہ بشر ہوں سڑک پر آنکھیں بند کر کے تو چلنے سے رہا، آنکھیں کھول کر دیکھنا ویسے بھی میرے بچپن کی عادت ہے۔ اور پھر جس طرف دیکھنے کو کچھ بھی نہ ہو، اس طرف دیکھنا مجھے کبھی گوارا نہیں ہوا۔ لہٰذا مجبوراً رال ٹپکا قسم کی فربہ ہیروئنوں اور صوفیہ لورین ٹائپ کی چھریرے بدن کی ہیروئنوں کے جنسی جذبے کو منہ زور بنانے والے دلکش پوسٹرز دیکھتے دیکھتے گزرتا ہوں حالانکہ ایسی فلمیں ڈبہ ہوتی ہیں اور منہ میں پانی بھرلانے والے ان میں پوسٹرز کے سین سرے سے ہوتے ہی نہیں۔

ہم نے سمجھایا: سنسر والے مزیدار سین کاٹ دیتے ہیں جبکہ سینما والے پوسٹرز میں ایسے مناظر کی جھلک دکھا کر لوگوں کے جذبات کی تسکین کرتے ہیں یعنی گڑ نہیں دیتے بات تو میٹھی کرتے ہیں! شگفتہ بگڑ کر بے تکی ہانکنے لگے: سنسر والے اخلاقی اقدار کو تو مدنظر رکھتے ہیں، لیکن سینما ہاؤس مالکان تو تمہاری طرح..... بات کاٹ کر معذراتی انداز میں چٹکی لی: معاف کرنا یار! تم مجھے اکثر الزام دیتے ہو لیکن پچھلے اتوار میں نے بچشم خود تمہیں جلتی تپتی دھوپ میں صرف بالغان کے لئے انگریزی فلم ''کافر حسینہ'' کے ٹکٹ کی لائن میں کھڑے دیکھا تھا..... شاید اس نئی فلم کا وہ دوسرا شو تھا۔ تمہاری بے چینی قابل دید تھی۔ بگڑ کر بولے تمہارا صاف ستھرا مطلب تو یہ ہے کہ میں بے ہودہ، غیر سنسر شدہ اور اخلاق و کردار کو بگاڑنے والی فلمیں دیکھنے کا حد درجہ رسیا ہوں۔ یہ بے بنیاد الزام تم مجھ جیسے پاکیزہ خیالات رکھنے والے پر خواہ مخواہ ہی لگا رہے ہو۔ تاہم اطلاعاً عرض ہے کہ میں تپتی دوپہر میں شرافت کا دامن تھامے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لائن میں کھڑا رہا..... لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ ''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے'' تو ہوا یہ کہ میرے ہاتھ بڑھاتے ہی ٹھک سے کھڑکی بند کر دی گئی اور میں ٹکٹ سے محروم رہ گیا۔

یعنی تم ''کافر حسینہ'' جیسی لذیز و مزیدار فلم دیکھنے سے محروم رہے، جس کا مجھے از حد افسوس ہے، ہم نے مصنوعی ہمدردی جتائی۔

Marfat.com

ذرا توقف کے بعد بولے: کیا کروں! دوستوں کے اصرار اور ان کی ترغیب پر کہ فلم بہت ہی ''اچھی'' ہے، ایسی فلمیں بھی دیکھ لیتا ہوں جو مجھے اپنی موروثی شرافت کے ناطے نہیں دیکھنی چاہئیں!

حسن اتفاق سے ایک مرتبہ ہم ان کے یہاں جا ''ٹپکے'' مطلب یہ کہ بغیر اطلاع دیئے ان کے ہاں پہنچ گئے۔ بغیر اجازت آنے والوں کے لئے وہ یہی لفظ یعنی ''ٹپکے'' استعمال کرتے ہیں..... مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں کپکپاہٹ اور چہرے پر ناپسندیدگی کی لہریں اس کے غصے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ کیونکہ حضرت اس وقت فیشن ایبل لڑکیوں کی جدید معنوں میں بڑی ہی ''دلکش تصویریں'' دیکھنے میں محو تھے۔ تاہم اپنی بدمزاجی کی پردہ پوشی کے لئے چہرے پر پھیکی مسکراہٹ طاری کر کے ''دفع ہو جاؤ'' کے انداز میں بولے: یہاں کہاں بھئی! کام پر نہیں گئے آج اور اپنا خاص البم ذرا پرے رکھ دیا۔ یار طبیعت ٹھیک نہیں تھی، سوچا چھٹی ہی منالوں، جواب دیا۔ تو آرام کرتے، آوارہ گردی کرنے کی کیا ضرورت تھی، انہوں نے طنز کیا۔ بس تم سے ملنے کو جی چاہا تو چلا آیا، ہم نے محبت کا جال پھینکا۔ پژمردہ لہجے میں پوچھا: مجھ سے ملنے کو جی چاہا! خیر، اب چائے وغیرہ تو ضرور پیو گے؟

ذرا کڑک اور مزیدار چائے پلا سکو تو، ہم نے گھور کر البم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چائے کا آرڈر دینے کے لئے باہر نکلے تو ہم نے لپک کر خاص البم اٹھایا اور جلدی جلدی دیکھنے لگے واپس لوٹے تو ہمارے ہاتھ میں البم دیکھ کر جھینپ سے گئے۔ مصنوعی مسکراہٹ، چہرے پر بکھیرتے ہوئے بولے: یار! یہ البم میرے ایک دوست کے بھائی کا ہے۔ صبح جاتے جاتے دے گیا کہ شام کو واپسی پر لیتا جاؤں گا۔ کچھ شوقین سا نوجوان ہے وہ!

شوقین مزاج بھی اور بڑا عجیب بھی ہے وہ! اس قسم کے البم دوسرے کے پاس رکھ کر ان کے اخلاق و عادات میں دراڑیں ڈالتا پھرتا ہے ہم نے سنجیدگی سے خیال ظاہر کیا۔ بگڑ کر بولے: تو تمہارا مطلب ہے کہ یہ البم وہ مجھے دیدہ دانستہ اور کسی سوچ سمجھی

Marfat.com

گھناؤنی اسکیم کے تحت، بداخلاق بنانے کے لئے دے گیا؟ نامعقول کہیں کا!

ہاں بالکل! اس میں کیا شک ہے، ہم نے شگفتہ کو طیش دلانا چاہا۔

جواباً بگڑ کر تلخی سے بولے: میں اخلاقی طور پر تمہاری طرح ڈانواں ڈول نہیں کہ تم تو ایسی رال ٹپکاؤ تصویر دیکھ کر ہی خیالی و رومانی دنیا میں کھو کر اوٹ پٹانگ اور غیر شائستہ گفتگو کرنے لگتے ہو۔

بات بگڑتی دیکھ کر پینترا بدلا: یہ البم تو میں تمہارے یہاں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ سہم کر بولے! ناممکن! یہ میرا البم نہیں۔ کہیں اور دیکھا ہوگا۔ ہر جگہ اور ہر ایرے غیرے کے یہاں سینگ مارتے پھرتے ہو۔ تمہارا کیا بھروسہ! میرے پاس صرف اور صرف ایک البم ہے۔

اور یہ کہہ کر جھٹ اٹیچی کیس سے اپنا البم نکال کر ہمارے سامنے پھینک دیا اور بولے: چلو، جی بھر کے دیکھو میرا ذاتی البم۔

ہم نے البم تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد سوچا: بلاشبہ یہی البم شگفتہ کا ہوسکتا ہے کہ اس میں، حسین ایکٹرسوں، جدید ماڈلوں کے نیم عریاں اور کچھ خطرناک حد تک عریانی کی حدوں کو چھوتی ہوئی تصویریں موجود تھیں۔

کام سے لیٹ ہونے کی وجہ سے ایک صبح ہم بھاگم بھاگ جا رہے تھے کہ راستے میں ٹکر گئے۔

حسب معمول پوچھا: فرصت ہے؟ کام پر جا رہا ہوں، لیٹ ہو گیا ہوں، ہم نے چھٹکارا پانا چاہا۔ جھٹ شکایتی لہجے میں بولے: یاران فلمی اخبار والوں کو کیا ہوتا جا رہا، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں کیا ہوا! ہم نے جلدی سے پوچھا۔

تب اس نے جیب سے مضمون نکالتے ہوئے دل جلے لہجے میں کہا: میں نے یہ معرکۃ لآرا فلمی مضمون بھیجا تھا لیکن فلمی اخبار ''چھمک'' نے واپس کر دیا۔

ہمارے منہ سے بے خیالی میں نکل گیا: نوک پلک درست کر کے دوبارہ لکھ کر بھیجو۔ بگڑ کر ہمارا ہاتھ پکڑ لیا، بولے: وہ بھی یہی کہتے ہیں، تم بھی یہی کہتے ہو، چلو تم پہلے

Marfat.com

میرا مضمون پڑھو اس کے بعد مجھ پر مضمون کی خوبیاں اور خامیاں کھول کھول کر بیان کرو، اس کے بعد اپنا نادر شاہی حکم جاری کرنا۔ مرزا شگفتہ زبردستی گھسیٹے ہوئے ہمیں ہوٹل میں لے گئے۔

وہ اخبار میں فلمی باتصویر اشتہارات دیکھنے میں مگن اور چائے کی چسکیاں لینے میں مصروف ہو گئے اور ہم عذاب جان میں مبتلا۔ بولے: پہلے میرا مضمون پڑھو اس کے بعد چائے پینا۔ انہوں نے میرے چائے کی پیالی کو اپنی طرف کھسکا لیا۔ مجبوراً بے دلی سے تھوڑا سا مضمون پڑھنے کے بعد گلوخلاصی کے لئے رائے دی: مضمون اچھا خاصا ہے۔ معلوم نہیں ایڈیٹر نے کیوں غصے میں آ کر واپس کر دیا۔ پھر میرے خیال میں یہ ضروری تو نہیں کہ وہ تمہاری طرح ذہین ہو۔ بے حد خوش ہو کر چائے کی پیالی میری طرف بڑھا کر مسکراتے ہوئے بولے: صحیح اندازہ لگایا تم نے۔ میں کتنے ایڈیٹروں سے ملا ہوں لیکن اکثر میرے معیار پر پورے نہیں اترے۔ ایک ایڈیٹر کو جب میں نے ایک چبھتا ہوا خط لکھا تو اس نے طیش میں آ کر نامعقول سا جواب دیا کہ..... تمہاری تحریر بھی میرے معیار پر پوری نہیں اُترتی اور تم خود بھی غیر معیاری ہو! یہ تلخ جواب پڑھ کر تو میں جل بھن گیا۔ لیکن آخر کب تک میں کس کس ایڈیٹر کی اصلاح کروں اور اپنی تحریر کی خوبیاں کہاں تک گنوا کر انہیں قابل اشاعت بناؤں۔

ہم نے جان چھڑانے کے لئے مشورہ دیا: تم خود ایک رسالہ نکالو اور آپ کی تحریریں اس میں شامل کر کے ''عظیم ادیب'' بن جاؤ۔ سوچ کر بولے: اب اس لائن پر سوچنا ہی پڑے گا۔

کچھ دنوں بعد ہمارے ہاں ہانپتے کانپتے بغل میں فائل دبائے، آدھمکے اور حسب معمول پوچھا: فرصت ہے۔ اور جواب کا انتظار کئے بغیر شروع ہو گئے: یار! ایک بکرا یعنی فنانسر پھانسا ہے۔ اس کے لئے ایک فلمی کہانی لکھ رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ فلم کی ڈائریکشن بھی میں ہی دوں۔ اگر تم کچھ فلم کی ٹیکنیک سے واقف ہو تو بے دھڑک میری مدد کرو۔

کیسی مدد؟ ہم نے حیرت سے تفصیل جاننا چاہی۔ یہی کہ میری کہانی پڑھ کر

Marfat.com

مجھے یہ بتاؤ کہ کسی ناول یا غیر ملکی فلم کا چربہ تو معلوم نہیں ہوتی، اس نے بڑے تحمل سے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

لیکن یار! نہ تو میں نے دنیا بھر کا لٹریچر پڑھا ہے اور نہ ہی ساری غیر ملکی فلمیں دیکھی ہیں۔ پھر میری رائے صائب کیسے ہوسکتی ہے! بگڑ کر بولے: ابے صائب غائب کی بحث چھوڑو۔ تم صرف میری کہانی پڑھ کر یہ بتاؤ کہ ایسی کہانی پر فلم بن سکتی ہے یا نہیں..... یا تمہارے خیال میں کبھی بنی ہوگی یا آئندہ..... خیر!

ہم نے اس سلسلے میں مجبوری ظاہر کی تو جھنجھلا کر بولے: ارے تم سے اچھا تو ہمارے آفس کا معمولی پڑھا لکھا چپڑاسی ہے! جس نے کہانی چوری چھپے پڑھنے کے بعد برملا اظہار خیال کیا کہ جناب! کیا زبردست اسٹوری ہے۔

اگر آپ اس کہانی پر فلم بنائیں تو پلاٹینم جوبلی تو بآسانی کرسکتی ہے۔ اس سے آگے بھی کوئی جوبلی ہوئی تو یہ وہ بھی منالے گی!

تو پھر تم یہ کہانی کب فلمارہے ہو، ہم نے چھیڑنے کے لئے کہا بُرا سا منہ بنا کر بولے، مدد کرنے کے نام پر آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہو۔ پکی پکائی پر حاضر ہونے کو تیار ہو۔ میں کہانی فلماؤں اور تمہیں ایکٹنگ کا چانس دوں..... یہی ناں.....

مسکہ لگایا: دیکھو یار میں تو سچی بات کرتا ہوں۔ تمہیں غلط سلط مشورے دے کر منجدھار میں نہیں دھکیلنا چاہتا۔ جو مدد کرسکتا ہوں، وہ کروں گا۔ نہیں کرسکتا تو جواب دے دیتا ہوں جیسے اس کہانی کے بارے میں..... بات کاٹتے ہوئے منہ بنا کر بولے: ہمت شکنی کرنے میں تم ماسٹر بلکہ ہیڈ ماسٹر ہو۔ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے کہ تم میرے لنگوٹیے یار ہو، اور یہ کہہ کر وہ ناراض ہوکر چل دیئے۔

سچ پوچھئے تو شگفتہ کی اکثر طیش دلانے والی اور دیدہ دانستہ بے تکی اور بے پر کی باتوں اور دلائل نے مجھے اکثر پریشان ہی کیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کسی دن ان سے ''تو تو میں میں'' اور پخ پخ'' کر کے دوستی کا The End کردوں تا کہ سکون نصیب ہو!

دیکھئے! ہمیں سکون کب نصیب ہوتا ہے!!

Marfat.com

گالیاں

یہ مشاہدہ عام ہے کہ جونہی کسی کے کان میں گالی کی آواز پڑتی ہے تو وہ گالیاں دینے والے کو، نہ چاہنے کے باوجود، مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے، معاشرے کے باعزت فرد کی طرح نصیحت کرنے پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ گالیاں نہ دینے کے حسن اور گالیاں بکنے کے قبح پر شریفانہ انداز میں اظہار خیال اس توقع پر کیا جاتا ہے کہ غصے میں آ کر گالیوں کا سہارا لینے والا شرمندگی محسوس کر کے آئندہ قبیح الفاظ سے زبان کو آلودہ نہ کرے، جو شرم و حیا والوں کے لئے باعث اشتعال ہوتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو ہمیں ایسے ناصح مشفق قطعاً پسند نہیں جو غالب کی طرح وسیع القلب نہیں ہوتے۔ گالیاں سہنا تو درکنار، سننے کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ عفو و درگزر سے کام لینا جانتے ہی نہیں! غالبؔ تو رقیب کے گالیاں کھا کر بے مزا نہ ہونے کا سبب، محبوب کے شیریں دہن سے ٹپکتے لذت آفریں لفاظ کی حامل گالیوں کو قرار دیتے تھے، لیکن جب ایک نا ہنجار نے انہیں خط میں ماں کی گالی لکھی تو انہوں نے یہ کہہ کر اس نامعقول کی عقل کا ماتم کیا کہ ستر سالہ بوڑھے کو ماں کی گالی دینا حماقت کے سوا کیا ہے! مومنؔ نے بھی تو دشنام یار میں مثبت پہلو پیدا کر کے گالیوں کو گوارا بنا دیا تھا۔

دشنام یار طبع حزیں پہ گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

جبکہ حضرت داغؔ اسرار کا پہلو سمو کر گالیوں کے مدح و ذم دونوں پہلوؤں سے صاف دامن بچا گئے تھے۔

Marfat.com

سنائے جاتے ہیں در پردہ گالیاں مجھ کو
جو میں کہوں تو کہیں آپ سے کلام نہیں

آخر گالیوں کی افادیت کو کیوں پس پشت ڈالا جاتا ہے، جبکہ ان کے ذریعے جس قسم کے موَثر اور جاندار کریکٹر اسکیچ کئے جاتے ہیں، عام زبان میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں سما سکتا! کبھی کبھار تو گالیوں کے ذریعے ایسے جامع ومانع خاکے چٹ پٹے الفاظ کے ذریعے اس بے ساختگی سے بنائے جاتے ہیں کہ سننے والوں کے ذہنوں میں کرید کی خواہش کلبلانے لگتی ہے اور غور وفکر سے عاری تک ذہنی اتھل پتھل سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

گالیاں کھانے والا صلح جو اور شریفانہ فطرت رکھتا ہو تو وہ نہیں چاہتا کہ انوکھے معانی کی حامل گالی گلوچ سے لوگوں کو چند لمحے مسرت کے میسر آئیں لہٰذا وہ کھسکنے میں ہی اپنی بہتری سمجھتا ہے۔ جب کوئی لاٹھی ٹیکتا اور کمر جھکا معمر شخص ایسے کھسکنے والے کی طبعی شرافت کو سراہنے کے ساتھ ساتھ اسے بے ضرر انسان کہہ کر دعائیں دیتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ ان بڑے میاں کو جوانی کا وہ وقت یاد دلاؤں جب وہ ہاتھا پائی اور دست و گریباں ہونے کے دوران اور بعد میں بھی بامعنی اور بے معنی قسم کی گالی گلوچ کے برملا استعمال کو شان مردانگی قرار دیا کرتا تھا۔ لیکن اب عمر رسیدگی کے ہاتھوں، قویٰ مضمحل ہونے پر، مجبوراً شرافت کی چھتری تانے، اپنی ان ساری کوتاہیوں اور کمزوریوں کی پردہ پوشی کر کے گالیوں کے اس مزے کو فراموش کر چکا ہے، جس کی لذت سے وہ خود ہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی محظوظ کیا کرتا تھا!

ہمیں تو اب اس مفروضے کے صحیح ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں رہا کہ ہم سب کا نہیں تو کم سے کم نوے فیصد حضرات کا گالیاں دینا دلپسند مشغلہ ہے۔ کوزے میں دریا بند کرنا تو ایک محاورہ ہے، لیکن گالیوں کا یہ ایک دل خوش کن پہلو کہ عموماً کسی شخص کے تاریک اور کم روشن پہلوؤں پر اس صفائی سے روشنی ڈالتی ہیں کہ اس کے بظاہر معصوم اور ہنس مکھ چہرے کے پیچھے چھپے خبث باطن کی کرنیں جگمگا اٹھتی ہیں۔ خصوصاً عورتیں جب ایک دوسرے سے بگاڑ کی صورت میں کوشش بسیار کے باوجود، دست وگریباں ہونے کا

Marfat.com

شوق پورا نہ کر سکیں تو پھر پیچ وتاب کھاتیں اور اپنے بلڈ پریشر کو اس سطح پر پہنچا کر ہی دم لیتی ہیں جہاں لفظوں کی شدید جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی جنگ کسی قسم کی ہو، اس میں سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے لہٰذا وہ گالیوں کے آزادانہ اور بے رحمانہ استعمال سے ایک دوسرے کے ڈھکے چھپے گوشوں کو جھوٹ سچ کی آمیزش سے اپنے مبالغہ آمیز لہجے میں، چٹخارے لے لے کر، بآواز بلند مشتہر کرتی ہیں کہ سننے والوں کے بدن میں سنسنی سی دوڑ جاتی ہے۔ طیش میں آکر لڑنے بھڑنے والی خواتین ایک دوسرے کی ظاہری اور باطنی کمزوریوں پر سے یوں، پیاز کے چھلکوں کی طرح، باریک باریک پردے سرکاتی چلی جاتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے انہیں ایک دوسرے کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی ٹوہ میں رہنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ تاہم ان میں مخاصمت کے آثار کچھ دنوں بعد ختم ہو جاتے ہیں اور وہ باہم شیر وشکر ہو کر بہنا پا گانٹھنے لگتی ہیں۔ لیکن ان کی لڑائی کا منفی پہلو رنگ لا کر رہتا ہے۔ کیونکہ جب وہ طیش میں آکر لڑائی میں ایک دوسرے کے کردار میں ذم کے پہلوؤں کے مزید بیان سے عاجز آجاتی ہیں تو پھر ان کا مہلک وار اکثر وبیشتر غیر جانبدار رہنے والے مردوں پر اتنا بھرپور ہوتا ہے کہ زیر عتاب مردوں کی ظاہری شرافت ونجابت کا چولا دل جلی پڑوسنیں یا کٹر مخالف تار تار کر کے ان کے گھروں کا سکون تہ وبالا کر دیتی ہیں اور پھر ٹی وی کے طویل دورانیے کے ڈرامے کی طرح ان گھروں میں ''تو تو میں میں'' کا ڈرامہ مسلسل چلتا رہتا ہے!

گالیاں دینا بچوں کا بھی مرغوب مشغلہ ہے۔ بعض بچے تو اپنی گالیوں میں ایسے نچلے تلے اور فحش الفاظ کا استعمال، اتنے بے ساختہ، سلیس اور رواں دواں انداز میں کرتے ہیں کہ ان کی ذہانت پر گالیاں سننے والیا باریش بزرگ بھی نقلی دانت پیستے رہ جاتے ہیں۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ کس طرح انہیں اس قبیح عادت سے باز رکھیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ اپنے بڑوں کی تقلید میں اور بے جانے بوجھے کہتے ہیں اور گالیوں پر گالیاں دیئے چلے جاتے ہیں جیسے رٹا لولڑکا کسی سوال کا غلط جواب فرفر دیئے چلا جاتا ہے۔ اکثر بچوں کی گالیوں میں ایسی گہرائی بھی ملتی ہے جس کا تجربہ صرف خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے

Marfat.com

والوں کو ہی ہوتا ہے، لیکن جس کا اظہار اکثر بچے اس بے ساختہ انداز میں کرتے ہیں کہ جیسے..... ''عمر گزری ہو ساری، اس دشت کی سیاحی میں!'' بڑوں کی تقلید کرنا، خصوصاً گالی گلوچ کے معاملے میں، بچوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ خواتین تو ایسی گالی گلوچ کے عادی بچوں کی گالیاں سن کر طیش کے بجائے لبوں کو مسکراہٹ آشنا کر کے مزا لیتی ہیں جبکہ مرد انہیں ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں۔ اس لئے عام خیال ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو جونہی وہ توتلی زبان میں بولنے لگتے ہیں، گالیاں سکھانا شروع کر دیتی ہیں تا کہ زبان میں روانی کے ساتھ ساتھ چاشنی کی مقدار بھی شامل رہے اور سننے والوں کو عبرت اور مزا، دونوں کا ذائقہ محسوس ہو۔ کچھ کا خیال ہے کہ میاں بیوی دونوں یکساں طور پر ''تو تو میں میں'' اور ایک دوسرے سے گالی گلوچ کر کے بچوں کو گالیاں ازبر کرانے میں بھرپور مدد دیتے ہیں۔ گھریلو ماحول گالیوں کے لئے سازگار ہو تو بیرونی ماحول مزید سونے پہ سہاگے کا کام کرتا ہے۔ جہاں کم تعلیم یافتہ علاقوں کے بچے گالی گلوچ کے استعمال کو مذاق سمجھتے اور قسم قسم کی گالیاں ایک دوسرے سے سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔

اور اس میں کیا شک کہ بے تکلف دوستوں اور اکثر شرفاء میں بھی ایک دوسرے کو بلا تکلف مرصع اور لچھے دار گالیاں صرف اس لئے دی جاتی ہیں تا کہ محبت بڑھے، تکلف مٹے، تعلقات میں انسیت پیدا ہو۔ یہ مثبت پہلو لنگوٹیے یاروں میں عمر کی قید سے آزاد ہوتا ہے البتہ گالیوں کی نوعیت میں عمر کے ساتھ ساتھ حسب خواہش تبدیلیاں کر لی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ کھلنڈرے پن کو تج کر بجھے بجھے چہروں سے ایک دوسرے سے ملیں، یوں جیسے انگریز ملنے پر ''ہوں۔ ہاں'' کر کے ایک دوسرے کا خون کھولاتے ہیں اور سوچ سمجھ کے بعد زبان کھولتے ہیں۔ ویسے بھی کچھ کہنے سے پہلے الفاظ کو تولنے میں وقت ضائع کرنا اور یہ کہ جو کچھ کہا جائے گا اس کا نتیجہ کیا نکلے گا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر یہ ضروری تو نہیں کہ مہذب گفتگو نتیجہ خیز ہی ہو۔ بے نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن گالیوں کی آمیزش سے گفتگو میں جاذبیت، کشش اور مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں بلاشبہ کم عمری سے گالیوں سے ہنسی مذاق کا بے دریغ کام لینے والوں کی یہ فطرت ثانیہ بن جاتی ہے!

Marfat.com

فوج میں بھی افسروں کے علاوہ چھوٹے موٹے رینک کے فوجیوں کے پاس عجیب وغریب اور قدیم وجدید گالیوں کا وافر ذخیرہ موجود ہوتا ہے، جن کا استعمال ممنوعہ گیتوں کی طرح پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ فوجی ٹریننگ کے مختلف مدارج طے کرتے وقت ایسی عرق انفعال قسم کی گالیوں سے اکثر واسطہ پڑتا ہے۔ جب کوئی پریڈ کرتے وقت بے دھیانی میں لیفٹ ٹرن کی بجائے رائٹ ٹرن ہوتے ہوئے رہ جاتا ہے تو اسے ایسی ''پسینہ آور'' گالیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ لال پیلا ہو کر باقی پریڈ ہی بلڈ پریشر کے زیر اثر مجبوراً کرتا ہے۔ جب کوئی دوڑ لگانے میں سست اور دیگر کرتبوں کے سیکھنے میں پھسڈی پن کا مظاہرہ کرتا ہے تو انسٹرکٹر کی قہقہہ آفرین گالیوں سے بے لذت ہو کر صرف دانت پیس سکتا ہے۔

ہم نے دوسری جنگ عظیم کے دوران جنم لینے والی نئی نئی گالیوں کے متعلق ایک دو کتابیں پڑھی ہیں، جو ہیں تو لطیفوں کی شکل میں، لیکن جاننے والے یہ نتیجہ با آسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ لذیذ، غیر مہذب اور کچھ مہذب قسم کی گالیوں ہی کی برکت تھی کی جنگ عظیم کے المیے میں بوریت اور رنج وغم کو دور کرنے کے لئے عجیب مسکراہٹ آشنا گالیاں ایجاد کی گئیں جواب مغربی معاشرے میں رسائل واخبارات میں بکثرت نقل کی جاتی ہیں جنہیں ہمارے ہاں با آسانی ''جنسی گالیاں'' کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس سے بحث نہیں کہ گالیاں دینے میں فوجیوں یا شہریوں میں کس کا پلڑا بھاری ہے۔ ہمارا منشاء تو صرف یہ ہے کہ اے کاش! شہریوں اور فوجیوں کے چیدہ چیدہ گالیوں کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایک عدد ایسی نایاب اور قدیم وجدید گالیوں کی لغت تیار کر دیں، جس کی تشنگی، اہل گالی گلوچ ایک عرصہ سے بری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ بلاشبہ ایسی ''لغت گالی گلوچ'' یورپی ممالک کے فحاشی کے الزام میں مقدموں کی چوٹ کھائے ہوئے کلاسیک ناولوں کی طرح بے تحاشہ فروخت ہوگی۔ اس کے طفیل اردو زبان میں لیک کے ساتھ ساتھ لذت بھی پیدا ہوگی اور زبان اردو، دنیا کی دیگر عظیم زبانوں کے صف میں شمار ہونے لگے گی!!

Marfat.com

وہ گالیاں جو ہمارے بزرگ، بچپن میں بڑے ذوق وشوق سے استعمال کر کے، سینہ پھلائے پھرا کرتے تھے اور جو بامعنی ہونے کی وجہ سے سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہیں، ان کو محفوظ کرنا ہماری اولین ''قومی ذمہ داری'' ہے جس سے ہم ہمیشہ پہلو بچائے رکھتے ہیں۔ اے کاش! ہم لوگ گیتوں'' کی طرح ''لوک گالیوں'' کو بھی محفوظ کر لیں تو کتنا اچھا ہو!!

.....☆☆.....

Marfat.com

تبصرہ کے لئے

جب کسی مصنف کی پہلی کتاب منظرِ عام پر آنے والی ہوتی ہے تو اسے یہ فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ نہ جانے پڑھنے والے اور نقاد حضرات اس کی پہلی کاوش کے ساتھ رحمدلانہ سلوک کر کے ہمت افزائی کریں گے یا پھر بے رحمانہ سلوک کر کے اسے مایوسی کے پاتال میں دھکیل دیں گے۔ اسی شش و پنج میں وہ اکثر رات کو خواب دیکھتا ہے کہ اس کی چھپی ہوئی کتاب فٹ پاتھ پر ڈھیر کی صورت میں اونے پونے داموں میں بکنے کے لئے تیار ہونے کے باوجود خریداروں کا دور دور تک پتہ نہیں۔ پھر اُسے نظر آتا ہے کہ اس کے لنگوٹیے یار اور دوستی کا دم بھرنے والے بھی اس سے اس طرح چھپتے پھرتے اور کنی کاٹنے لگے ہیں جیسے وہ زبردستی ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اپنی کتاب پڑھائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ بہت کم مصنفین ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنی صلاحیتوں پر اتنا بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے یوں مطمئن دکھائی دیتے ہیں جیسے انہیں پڑھنے والوں سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ خود اعتمادی کے طفیل وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب ہی اتنی اچھی لکھی ہے کہ لوگ پڑھنے پر مجبور ہو جائیں گے اس کے باوجود نتائج پر نظر رکھنے والا مصنف کچھ ڈرا ڈرا اور سہما سہما سا رہتا ہے اور رات بھی۔

کبھی اس کروٹ کبھی اُس کروٹ

ہوتا رہتا ہے تا آنکہ کتاب کی قسمت کا فیصلہ نقاد اور پڑھنے والے نہیں کر دیتے۔ مجھے تو مطمئن مصنف اچھے لگتے ہیں جو کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے ہی ہر ایک سے کہتے پھرتے ہیں کہ عرصہ بعد عنقریب ایک ایسی بلند پایہ اور منفرد انداز کی تصنیف شائع ہو رہی ہے جسے، پڑھ کر لوگ عش عش کر اُٹھیں گے۔

Marfat.com

ذیل میں ہم ایک ایسے نئے اور جرأت مند مصنف کے خیالات واحساسات کی ترجمانی کر رہے ہیں جو اپنی پہلی تصنیف کو مقبول عام بنانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے پر کمر بستہ نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں تو اس قسم کے حربے ہر نیا مصنف استعمال کرنے کا سوچتا ضرور ہے تاہم ان حربوں کا استعمال عدم استعمال مصنف کی نیت اور ہمت پر منحصر ہوتا ہے۔!

محترم نقاد رحمدل صدیقی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

میں نے بڑی محنت وکاوش سے ایک ناول ''رگِ حسن اور عشق'' لکھا ہے۔ حالانکہ یہ میرا پہلا ناول ہے، لیکن اسے پڑھ کر آپ دریائے حیرت میں غوطے پر غوطے کھائیں گے اور آپ کا بے رحم قلم، جو تبصرہ کرتے وقت مثل تیز دھار نشتر کے ہر اچھے برے خیالات کو کاٹتا گزر جاتا ہے اور جو کچھ آپ کے دل میں (معاف کیجئے گا، دماغ میں نہیں!) آتا ہے وہ کاغذ پر منتقل ہوتا رہتا ہے۔ امید ہے کہ آپ میرا ناول پڑھنے کے بعد اپنے ذہن کو کام میں لانے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کیا یہاں بھی کوئی ایسا کلاسیک اور شاہکار ناول لکھ سکتا ہے! ''لکھ سکتا ہے''!! میرا جواب ہے۔ اس ناول کا موضوع ہی اتنا ہوشربا ہے کہ جسے آج تک کسی نے بھی چھونے تک کی زحمت نہیں کی! پھر پرانے محاوروں کا باکمال استعمال آپ کو ڈپٹی نذیر احمد کی یاد دلائے گا کہ آج جب جدید دور میں لوگ نہ صحیح انگریزی لکھ سکتے ہیں اور نہ صحیح اُردو، یہ جینئس کہاں سے پیدا ہو گیا، جو قدیم وجدید زبان کو یکساں طور پر برتنے میں اتنا ماہر اور باکمال ہے! اس میں طنز ومزاح کو علیحدہ علیحدہ اور پھر دونوں کو یکجاں کر کے اس طریقے سے ناول کے صفحات پر بکھیرا گیا ہے کہ کہیں تو آپ کو کنہیالال کپور کا خالص طنز ملے گا اور کہیں پطرس کا خالص مزاح، اور کہیں مشتاق احمد یوسفی کا طنز ومزاح کا ملغوبہ، جس کو چھلنی میں چھان کر بھی علیحدہ علیحدہ کرنا چاہیں تو نہ طنز کا پتہ چلے گا اور نہ مزاح کا! یعنی آپ ہر صفحے پر اپنے آپ کو ہنسی، مسکراہٹ اور قہقہوں کی زد میں پائیں گے۔ علاوہ ازیں آپ کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ ہمارے ادیب جملے

Marfat.com

پھیکے اور بے روح لکھتے ہیں اور کردار نگاری تو بہت ہی پھس پھسی ہوتی ہے۔ آپ کی یہ دیرینہ شکایتیں مرا ناول نہ صرف دور کر دے گا بلکہ آپ نہ چاہنے کے باوجود بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ پچاس سال بعد ایک عمدہ اور شہکار زندہ رہنے والا ''رگِ حسن اور عشق'' جیسا ناول وجود میں آیا ہے جسے ایک بار ہاتھ میں لے کر پڑھے بغیر نیند بھی نہیں آتی۔ یہ میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ اکثر کتابیں پڑھنے والے کے لئے کلوروفارم کا اثر رکھتی ہیں، جنہیں پڑھتے پڑھتے بیہوش نہ ہوں تو نیند کی آغوش میں ضرور پہنچ جاتے ہیں اور صبح ناول یا کوئی اور زیر مطالعہ کتاب فرش پر الٹی پڑی ہوئی ملتی ہے اور صاحب مطالعہ صبح سویرے تک بیوش ہی ملتا ہے..... صدمے کی وجہ سے!! ناول کی دو جلدیں ارسالِ خدمت ہیں اور اس امید کے ساتھ کہ آپ تبصرہ کرتے وقت میرے زریں خیالات اور فیصلوں کو تبصرہ میں ہر صورت جگہ دے کر اپنے آپ کو سچا اور کھرا نقاد ثابت کریں گے تا کہ اس شکایت کا ازالہ ہو سکے کہ آپ اکثر غصے میں آ کر کر کتاب کو جسہ جستہ پڑھنے کے بعد دل توڑ قسم کی تنقید سے مصنفوں کی سٹی گم کر دیتے ہیں اور وہ آپ کی اپنے دوستوں میں غیبت کرتے، آپ کی کم علمی اور تعلیمی قابلیت کی کمزوری کا چرچا کرتے پھرتے ہیں، چنانچہ جب بھی موقع ملتا ہے ایسے مصنف کی دوسری کتاب پر تبصرے کے ذریعے ایسا رگڑا لگاتے ہیں کہ مصنف چوں چاں کرتا رہ جاتا ہے۔

فقط آپ کا معترف..... شکر اللہ چنڈولی

.....☆☆.....

Marfat.com

جناب ایڈیٹر ماہنامہ ''نیا ادب''

آداب و نیاز!

دو (۲) کی بجائے ناول ''رگِ حسن اور عشق'' کی ایک جلد برائے تبصرہ بھیج رہا ہوں وہ اس لئے کہ آپ کو ناول پر تبصرہ کرنے کے لئے اسے پڑھنے یا کسی اور سے تبصرہ لکھوانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں خود ہی اس مشکل کا حل اس مختصر خط میں پیش کر رہا ہوں۔ بہر حال آپ کو صرف میرے خیالات ذرا پھیلا کر رسالے میں شائع کرنے ہوں گے!

آپ ہر ناول پر تبصرہ کرتے وقت مکالموں کے پھیکے پن اور بے جان و مختصر ہونے کا شکوہ کرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھار تو آپ کا لہجہ اتنا درشت اور سخت ہو جاتا ہے جیسے آپ خود کوئی عظیم ناول نگار ہیں، لیکن لکھتے نہیں کہ کہیں بیچارے دوسرے ناول نگار بھوکے نہ مر جائیں۔ دراصل اس قسم کی غلط فہمی اکثر ان پڑھنے والوں کو ہی ہوتی ہے جو لکھ نہیں سکتے، لیکن تنقید کے تیر بڑے جوش و خروش سے دوسروں پر برساتے ہیں۔ خیر آمدم برسرِ مطلب!

تو جناب میرا پہلا ناول ''رگِ حسن اور عشق'' پڑھ کر کرسی سے دھڑام سے فرش پر گرے نہیں تو اچھل ضرور پڑیں گے۔ کیونکہ میں نے بعض کرداروں کے مکالمے طول طویل اور ایسے زوزدار اور آبشار کی سی تیز روانی کے حامل لکھے ہیں کہ لوگ محمد حسین آزاد اور دیگر لکھنے والوں کو فراموش کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ آپ یہ بھی شکایت اپنے تبصروں میں کرتے ہیں کہ ہمارے ناولوں میں نفسیات، جذبات، جنسیات وغیرہ کو سنجیدگی سے نہیں برتا جاتا، تو جناب میرا ناول پڑھ کے (معاف کیجئے گا تلخ نوائی میری) آپ کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ کیونکہ میں نے ان جذبات کی باریکیوں کو اتنے مؤثر انداز میں جگہ دی ہے کہ آئندہ جنسیات، نفسیات کے موضوع کو چھونے والے میرے ناول کو پڑھے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔

Marfat.com

دراصل اردو ادب میں یہ ایک شہکار ناول ثابت ہوگا کہ لوگ کم سے کم ایک صدی تک تو اس کے سحر سے نہیں نکل سکیں گے۔ خیر! میں اپنے ناول کی مزید خوبیاں بیان کر کے آپ کو الجھانا نہیں چاہتا، عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے اور آپ کو تو میں نے تبصرے کے لئے کافی مواد فراہم کر دیا۔ امید ہے کہ خاکسار کو ممنونِ احسان ہونے کا سنہری موقع دیں گے، جس کے لئے میرا پیشگی شکریہ قبول فرمایئے۔

فقط آپ کا خیر خواہ.....شکر اللہ چنڈولی

.....☆☆.....

Marfat.com

جناب ایڈیٹر پندرہ روزہ ''شب و روز''
تسلیم و نیاز!

میرا پہلا عظیم اور کلاسیک ناول ''رگِ حسن اور عشق'' ارسالِ خدمت ہے جس کی تین قسطیں آپ کے اعلیٰ پائے کے رسالے میں شائع ہو کر دھوم دھام مچا چکی ہیں۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ میں آپ کے رسالے کے لئے سالانہ خریدار زبردستی بناتا رہا ہوں تاکہ رسالہ دن دونی اور رات تگنی چوگنی ترقی کر سکے، لیکن ہر کوشش کامیابی سے ہمکنار بھی تو نہیں ہوا کرتی۔ بہرحال میں نے مقدور بھر آپ کے رسالے کی ترقی کے لئے جدوجہد کی، اسکا اعتراف نہ کرنا میرے ساتھ زیادتی ہی کہی جا سکتی ہے۔ آپ میرے عظیم ناول پر دھانسو اور گاہک پھانسو قسم کا تبصرہ شائع کرنے کے ساتھ ساتھ پچیس پچاس جلدیں نکالنے کا بھی بندوبست کر سکیں تو کیا کہنے!

اس طرح مجھے یقین ہے کہ آئندہ آپ کے احسان کے بدلے میرے تعاون سے آپ کا پندرہ روزہ رسالہ، جو عموماً دو تین ماہ بعد شائع ہوتا ہے، باقاعدگی سے وقت پر نکلا کرے گا! اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کی معنویات سے آپ تو بخوبی واقف ہوں گے۔ میں تو ہمیشہ اسی کا قائل رہا ہوں لیکن آپ جیسے راست گفتار کو اس نکتے سے متفق کرانا میرے لئے ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ آپ میرے محنت شاقہ سے لکھے گئے ناول کے بارے میں اپنا تبصرہ ایسے دلنشین اور عمدہ پیرائے میں لکھیں گے کہ میرے شہرت کو بھی چار پانچ چاند لگ جائیں اور میرا ناول پڑھنے والوں کی بے حسی کی بدولت فٹ پاتھ پر پہنچنے سے بچ جائے!

فقط آپ کا ہمدرد دوست..... شکر اللہ چنڈولی

.....☆☆.....

Marfat.com

محترم ایڈیٹر ہفت روزہ ''نقشِ ادب''

السلام علیکم!

میں آپ کے نامی گرامی رسالے کے لئے عرصہ دراز تک عمدہ اشعار اور جدید لطیفے وغیرہ بھیجتا رہا ہوں، جسے پڑھنے والے پسند کرتے تھے اور بقول آپ کے تم نے قدیم وجدید شعراء اور مسخروں کو زیر بار احسان کیا ہے کہ ان کی گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی تحریریں زندہ کر دیں! میں آپ کی گراں قدر رائے پر کچھ کہنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ میرے بارے میں ہے۔ ہاں! البتہ آپ نے میری اتنی حوصلہ افزائی کی کہ میں نے اپنی چند راتوں کی نیند حرام کر کے ایک خوبصورت ناول ''رگِ حسن اور عشق'' تخلیق کر ڈالا۔ اس سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میرا ناول راتوں کی نیند حرام کرنے والا ناول ہے۔ ہاں البتہ اگر اسے کوئی پڑھنا شروع کرے گا تو مجھے یقین ہے کہ اسے اس وقت تک نیند نہیں آئے گی جب تک پورا ناول ختم نہ کر لے۔ اس سے آپ ناول کی دلچسپی کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں! پھر اس ناول میں عمدہ اشعار کثرت سے میں نے جا و بیجا استعمال کئے ہیں کیونکہ میں پڑھنے والوں کی نفسیات کو بخوبی جانتا ہوں۔ وہ عشق و محبت اور درد و غم ہر طرح کے جذبات سے بھرپور اشعار پڑھ کر لذت حاصل کرتے ہیں، پھر اس میں طنز و مزاح کے حامل لطیفوں کی اتنی فراوانی ہے کہ پڑھنے والا ہر صفحہ داد دیتے ہوئے الٹے پلٹے گا یعنی جب تک اپنی ہنسی پر قابو نہیں پا لے گا صفحہ پلٹنے کے لئے اس کو وقت ہی نہیں ملے گا۔ خیر! آپ اس طرح تبصرہ کریں کہ ہر پڑھنے والا میری ہمہ گیر قابلیت اور ناول کے موضوع بلکہ موضوعات پر فنی گرفت کے قائل ہو جائیں۔ اگر کچھ جلدیں فروخت کرنے کا بندوبست ہو سکے تو سبحان اللہ!

فقط مخلص ہمدرد..... شکر اللہ چنڈولی

.....☆☆.....

Marfat.com

پیارے دوست خلیل دین چنڈولی
سلام محبت قبول کرو!

آپ کے دو عدد خطوط کے جواب اس لئے دینے سے قاصر رہا کہ میں پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ سارا دن دیگر اچھے ناولوں کے ٹکڑے اس کی چھلنی میں چھاننے کے بعد، انہیں اپنے انداز میں لکھنے میں غرق رہتا تھا۔ اور پھر رات رات بھر اپنے پہلے ہی کلاسیک اور عظیم ناول ''رگِ حسن اور عشق'' لکھنے میں جُتا رہتا تھا۔ تاخیر سے جواب دینے کی معذرت وغیرہ قبول کرو۔ ناول کل چھپ کر آیا تو آج تمہیں اس کی ایک کاپی بھیج رہا ہوں۔ اگر ناول پڑھنے کے لئے وقت نہ ہو تو، یا ناول پڑھنے سے بے رغبتی ہو تو بذریعہ واپسی ڈاک مطلع کرو۔ تاکہ میں تبصرہ کیلئے چیدہ چیدہ نکات اور آراء تمہیں بھیج دوں۔ انہیں بنیاد بنا کر تم ایسے دھانسو قسم کے مختلف مضامین مختلف ناموں سے لکھ کر، ملک کے اچھے اخبارات و رسائل کو بھیجو تاکہ پڑھنے والوں میں میرے ناول کی دھوم مچ جائے۔

اگر تمہیں بُرا نہ لگے تو یہ بھی مشورہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ تم غیر ملکی صرف بالغان قسم کے ناولوں سے پرہیز کر کے، میرے صاف ستھرے ناول کا مطالعہ کرو، جس میں جنس کے پینترے بھی ہیں اور نفسیات کی موشگافیاں بھی ٹھاٹھیں مار رہی ہیں، نرم گرم جذبات و احساسات کی لہریں بھی ہیں اور طنز و مزاح کے بیشمار چھینٹے بھی، رومانی اور جذباتی اشعار بھی ہیں اور افسانوی اور انشائی لطف بھی..... یعنی تمہیں میرا ناول پڑھتے وقت یقیناً احساس ہوگا کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ تو تمہیں جاسوسی ناول، نہ جنسیاتی ناول نہ نفسیاتی ناول اور نہ مار دھاڑ سے بھرپور ناول پڑھنے کی ضرورت ہے۔ میرا ناول تمہیں دنیا کے عظیم لٹریچر سے کلی طور پر بے نیاز کر دے گا۔ بس ایک بار تم دل لگا کر اسے پڑھ ڈالو۔ پھر مختلف ناموں سے مختلف مضامین اخبارات و رسائل کو بھیجنا شروع کر دو۔ اس طرح جلد ہی تمہارا شمار گنے چنے نقادوں میں ہونے لگے گا اور میرا عظیم ناول بھی گھر گھر پہنچنے میں شاید کامیاب ہو جائے۔

فقط تمہارا ناول نگار لنگوٹیا یار..... شکر اللہ چنڈولی

Marfat.com

فلم فلاپ ہونے کے بعد

جب کسی فلم ساز اور ڈائریکٹر کی فلم فلاپ ہو جاتی ہے تو عموماً دونوں ایک دوسرے کو کوستے ہیں اور موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں ایک دوسرے کا لحاظ نہ ہو تو ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے برسرِ عام دست و گریبان بھی ہو جائیں۔ لیکن وہ بظاہر تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ تاہم جب بھی موقع ملتا ہے وہ ایک دوسرے کی خامیوں اور کمزوریوں کا دوسروں کے سامنے ہتک آمیز لہجے میں ذکر کرتے ہیں کہ سننے والے بھی چونک پڑتے ہیں۔ بظاہر اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ میں تو عقلمند اور قابل تھا لیکن دوسرا فریق گھامڑ نکلا۔ مثلاً فلم ساز ڈائریکٹر کے متعلق اظہار خیال کرتا ہے:

''افسوس صد افسوس! مجھے پہلے نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ ڈائرکشن کی دُم تک سے واقف نہیں، میں اس کی سلجھی سلجھی باتوں کے چکر میں پھنس گیا۔ اسے ڈائریکٹر لے کر میں نے اپنا پٹڑا کرالیا''

اور ڈائریکٹر فلمسارز کی سوجھ بوجھ اور ذہانت کی قلعی یوں کھولتا ہے:

''ہر چیز کا انتخاب خود کیا۔ پھر اپنی پسند کے نئے چہرے بھی لئے اور ساتھ ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ فلم نہ صرف ہٹ ہو بلکہ نئے چہروں سے ایسا کام لیا جائے کہ ہر ایک ایوارڈ لے جائے۔''

اب بھلا اتنی شرائط کو ایک بے سروپا کہانی اور ایکٹنگ سے نابلد اداکاروں کی مدد سے میں کس طرح پورا کر سکتا تھا۔ پوری شوٹنگ کے دوران میری جان ضیق میں رہی۔ چونکہ مکالمے بھی فلم ساز کے تھے لہٰذا ان کی ادائیگی کے وقت وہ نوخیز ایکسٹرا لڑکیوں میں گھرے ہونے کی وجہ سے مشورے کے لئے دستیاب بھی نہیں ہوتے تھے۔ جیسے تیسے نئے

Marfat.com

اداکاروں کواداکاری اور صحیح مکالمے بولنے میں بھی سر کھپاتا تھا لیکن غلط ہونے کے باوجود تبدیلی نہیں کرسکتا تھا۔'' اس قسم کا منفی طرزِ عمل تو فلمساز اور ڈائریکٹر کا ایک دوسرے کے متعلق ہوتا ہے کہ جیسے دونوں ہی فلم کی تیاری کے مراحل میں نابلد اور کورے تھے جس کے نتیجے میں بے ڈول ڈبہ گول قسم کی فلم بنا ڈالی۔ لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ حیران کن ہوتا ہے جس میں دونوں کے قریبی ساتھی یا جان پہچان کے حضرات فلم کے فلاپ ہونے پر ان سے افسوس کرنے آتے ہیں اور پھر زیادہ دلچسپ مشورے آراء اور بامعنی انداز کی گفتگو نام نہاد، آزاد خیال، اور اپنی خواہشوں کے ماتم گسار نقاد کرتے ہیں جو حق دوستی اور ہمدردی جتانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ دراصل وہ حق دوستی نبھانے نہیں بلکہ دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے آتے ہیں اور اپنی حسرتوں کے ادھورا رہ جانے کا ماتم کرنے اور اپنی نادر یافت صلاحیتوں کا قصیدہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ کہیں کہیں وہ سچ بھی بول جاتے ہیں لیکن اس میں بھی اپنی غرض اور مطلب کا پہلو نمایاں رکھتے ہیں۔ تفنن طبع کے لئے کچھ ایسے ہی ہمدردوں اور دوستوں کی باتیں، آراء وغیرہ ملاحظہ ہوں!

ایک فلم ڈائریکٹر کی پہلی ہی فلم فلاپ ہوگئی تو اس کے لئے مستقبل ہی اندھیر ہو گیا۔ وہ غمگین بیٹھا ہوا تاریک مستقبل کے اندھیرے میں بھٹک رہا تھا کہ اتنے میں اس کے پاس فلمیر یا کا مریض اور مطلب پرست دوست آیا۔ اسے غمگین و رنجیدہ پا کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ اچھا ہوا اس کی فلم کا بیڑا غرق ہوگیا، لیکن راہِ رسم دنیا نبھانے کے لئے خوشی کے اندرونی موڈ کو دباتے ہوئے چہرے پر غم کا لبادہ اوڑھتے ہوئے بولا ''آپ کی فلم فلاپ ہونے کا میرے دل کو از حد رنج و غم والم ہے، دو دن سے میں نے پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھایا۔ شاید آپ بھی بھوکے ہوں گے!''

''اب رنج و غم کرنے اور بھوکا پیاسا رہنے سے کیا حاصل میرے عزیز دوست، بیڑا غرق ہونا تھا، وہ بخوبی ہو چکا۔ تم نے اکثر مجھے چیختے چلاتے بلکہ چھوٹے موٹے اسٹاف سے لڑتے جھگڑتے بھی دیکھا ہوگا۔ اس وقت میں کتنا ہشاش بشاش اور جوش و خروش سے بھرپور ہوتا تھا۔ لیکن آج اگر کوئی میرا گریبان بھی پکڑ لے تو میں ''چوں'' بھی

Marfat.com

نہیں کروں گا کہ وہ جوش وخروش فلاپ فلم کے صدقے ہوگیا۔ میرا تو بلڈ پریشر بھی اتنا گر گیا ہے کہ جیسے کبھی تھا ہی نہیں حالانکہ میں پہلے ہائی بلڈ پریشر میں مبتلا رہتا تھا۔ میری تو صحت کی حالت پتلی ہوگئی ہے۔ کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا'' ڈائریکٹر نے فلم کے حوالے سے اپنی صحت تک کا حال بتادیا۔

''لیکن میں یہ برملا کہوں گا کہ فلم کا ہیرو سخت بور بلکہ کام چور ثابت ہوا۔ جگہ جگہ پاک و بھارت کے پرانے فلم ایکٹروں دلیپ کمار، راج کپور، دیوآنند، سدھیر، سنتوش کمار وغیرہ کی نقل کے شوق میں اوورا یکٹنگ بلکہ بھونڈی ایکٹنگ کا شکار ہوگیا۔ اور میری رائے میں، جو بالکل صحیح ہے، فلم کے فلاپ ہونے میں اس کا 70 فیصد بلکہ 75 فیصد حصہ ہے''۔

''نہیں بے چارے ہیرو نے تو کسی حد تک اچھا کام کیا'' ڈائریکٹر نے دلیپ کٹ بال رکھے فلمیریا کے مریض دوست کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''بس کہیں کہیں وہ اوورا یکٹنگ کا شکار ہوا۔ اگر میں اسے نہ روکتا تو وہ اتنی زیادہ اوورا یکٹنگ کرتا کہ مشتعل تماشائیوں کی گالیوں سے ہال گونج اٹھتا''۔

فلمیریا کا مریض دوست قدرے تلخ لہجے میں بولا ''بہرحال یہ آپ کی ذاتی رائے ہے۔ میرے خیال میں تو کتنی جگہ وہ صحیح تاثرات بھی نہیں دے سکا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو دنیا دیکھتی کہ اداکاری کس چڑیا کا نام ہے۔ اداکاری کے میں وہ، وہ جوہر دکھاتا کہ آپ بھی ششدر رہ جاتے۔ میں آپ کو بھی رموز اداکاری کے خاص خاص نکتے بتاتا اس لئے کہ میں نے فن اداکاری پر ایسے مصنفوں کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کیا ہے جو اداکاری خود تو کرنا نہیں جانتے تھے لیکن دوسروں کو مفید مشوروں سے محروم نہیں رکھتا۔ یقیناً میری اداکاری ایسی ہوتی کہ پھر میں دیکھتا کہ کون مائی کا لعل تماشائی بغیر تالیاں بجائے چپ بیٹھتا ہے۔ آج جس طرح آپ کی فلم دیکھنے والوں کی وجہ سے ہال گالیوں سے گونج اٹھتا ہے، تب وہ تالیوں سے گونجتا۔ آپ اس طرح ڈپریشن کا شکار نہ ہوتے جیسے اب بیٹھے ہیں۔ بلکہ دو تین اور فلموں کی پلاننگ کر رہے ہوتے۔ خیر نقصان تو آپ کا

Marfat.com

مجھ سے زیادہ ہوا ہے۔افسوس آپ نے میری منت سماجت کے باوجود مجھے ہیرو کا چانس نہیں دیا"۔

"میں تمہیں ہیرو کا چانس کیسے دیتا میرے دوست تمہاری ناک چپٹی، ہونٹ حبشیوں کی طرح موٹے موٹے اور بدن ماشاء اللہ ڈھائی من کا ہے۔" ڈائریکٹر نے اسے اس کے نقائص سے آگاہ کیا۔

"چپٹی ناک، موٹے ہونٹ اور زیادہ وزن کا فن اداکاری سے کیا تعلق سر؟ آپ آنجہانی کرک ڈگلس، آنجہانی انتھونی کوئن وغیرہ کو کسی بھی فلم میں جا کر دیکھئے تو آپ کو میری بات کا وزن محسوس ہوگا۔کرک ڈگلس کی ٹھوڑی ملاحظہ فرمایئے، لبوں پر ہنسی آجاتی ہے اور پھر ٹھوڑی میں بڑا سا غار نما چھید بلکہ گڑھا۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ وہ داڑھی بناتے یا بنواتے وقت اس غار کے اندر کے بال کس طرح صاف کرتا ہوگا۔اور پھر انتھونی کوئن کی شکل ملاحظہ فرمایئے، کافی سے زیادہ لمبوترا چہرہ، نہ ناک نقشہ اچھا اور نہ لہجے میں جاذبیت لیکن پھر بھی زندہ باد ہالی وڈ! آپ ان کے چہروں کو تنقیدی نظروں سے دیکھنے کے بعد میرا جائزہ لیجئے۔کیا ان کی شکلیں میری شکل سے اچھی ہیں؟ ہرگز نہیں! لیکن وہ پھر بھی عظیم ایکٹر کے درجے پر پہنچے"۔

"اچھا بتاؤ میری فلم میں کیا کیا خامیاں ہیں!" ڈائریکٹر نے بات کو آگے بڑھانا چاہا۔

"پہلی خامی تو ہیرو کا غلط انتخاب، دوسری خامی ہیرو کی ولن سے بے جان فائٹنگ، اگر میں ہوتا تو اتنی پھرتی سے فائٹنگ کرتا کہ ولن کا مار مار کر بھرکس نکال دیتا اور سینما ہال تماشائیوں کی تالیوں اور ولن کو گالیوں سے گونج اٹھتا۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم منجھے ہوئے باکسر ہو، ڈائریکٹر نے قیاس کیا۔جی ہاں! باکسروں سے مار کھا کھا کر تو یہ ناک چپٹی ہوئی ہے۔شکر ہے ہموار نہیں ہوگئی، فلمیر یا کا مریض ہنسا تو اس کے پان زدہ دانت پہلی بار نظر آئے۔

"غلطی ہوگئی دوست۔آئندہ میں تمہیں اپنی فلم میں ضرور چانس دوں گا۔

Marfat.com

بشرطیکہ کسی فلمسار نے مجھے ڈائریکشن کا چانس دیا'' ڈائریکٹر نے پیچھا چھڑانا چاہا۔

کوئی پاگل ہی آپ کو نہیں لے گا۔ فلم فلاپ ہوئی تو کیا ہوا! آپ کی ڈائریکشن سے تو فلم ''آن'' اور فلم ''بن حر'' کے سین یاد آ گئے۔ واللہ آپ نے کیا عمدہ اور بے داغ ڈائریکشن دی تھی۔ کاش آپ ہالی وڈ میں پیدا ہوئے ہوتے، لیکن مسلمان گھرانے میں، تو کتنا اچھا ہوتا کہ ایک عظیم مسلمان ہدایت کار ہالی وڈ میں موجود ہے۔ آپ اگر اب بھی چاہیں تو ہالی وڈ جا کر اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا سکتے ہیں'۔ فلمیریا کے مریض دوست نے ڈائریکٹر کی قابلیت کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

''کیوں میں نے تمہیں کیا تکلیف پہنچائی ہے جو مجھے پاکستان سے ہالی وڈ شفٹ ہونے کا ناقابل عمل مشورہ دے رہے ہو؟'' ڈائریکٹر نے برا مان کر کہا۔

''اجی میں تو آپ کے بھلے کے لئے مشورہ دے رہا ہوں۔ ویسے آپ یہاں بھی اپنی قابلیت کے ڈنکے بجوا سکتے ہیں۔ بس آئندہ میرا خیال رکھئے گا اور پھر قدرت کا کرشمہ ملاحظہ فرمایئے گا'' فلمیریا کے مریض دوست نے یاد دہانی کرائی۔ ڈائریکٹر سوچ کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا اور سوچنے لگا۔

کیسے کیسے لوگ ہمارے دل کو جلانے آ جاتے ہیں

فلمساز اپنے کمرے میں بیٹھا فلم کے فلاپ ہونے پر تقدیر کے ظلم، اسمگلنگ کا روپیہ حرام جانے کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کر رہا ہے کہ اتنے میں اس کے دو پرانے شناسا اس کے پاس آئے۔ دونوں کے چہرے مصنوعی غم کی وجہ سے کافی متاثر کن ہیں۔ ان میں سے ایک بولا'' جناب! آپ کو کس کند ذہن اور الٹی کھوپڑی والے نے مشورہ دیا تھا کہ غرغر فساد پوری کو ڈائریکٹر لیجئے''۔

فلمساز نے سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا'' آہ دوست، میری مت اس وقت ماری گئی تھی جو اسے ڈائریکٹر کا چانس دیا۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں پر میں پھسل گیا اور ایسا پھسلا کہ فلم کی ریلیز پر تو جیسے میں پہاڑ کی چوٹی سے پھسل کر مسلسل ناکامی کے غار کی طرف

Marfat.com

پسلتا آرہا ہوں'' دوسرے دوست نے جھٹ سے پوچھا 'فلم کی کہانی کس احمق نے.....''

پہلا دوست جھٹ دوسرے کو کہنی مار کر، آنکھیں نکالتے ہوئے کہتا ہے ''ابے کہانی تو فرسٹ کلاس ہے، کیا جاندار سین لکھے گئے ہیں۔ لیکن یہ تو ڈائریکٹر کی حماقت تھی کہ اس نے مناظر کی روح کو مدنظر نہیں رکھا اور اچھے بھلے مناظر کا بیڑہ غرق کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے تو اچھی بھلی کہانی کو چوں چوں کا مربہ بلکہ اچار بنا کر رکھ دیا جسے نہ تماشائی ہضم کر سکتے ہیں اور نہ اپنے یہ بھائی برداشت کر سکتے ہیں''۔

''فلمساز کھسیانہ ہونے کے باوجود مصنوعی مسکراہٹ سے کہتا ہے ''ہاں کہانی کا تو کہنا ہی کیا صاحب! چند سین تو اپنی مثال آپ ہیں، البتہ ڈائریکشن نے پٹرا کر دیا''

ایسا ویسا پٹرا! صاحب ڈائریکٹر نے تو نہ جانے کب کی دشمنی کا بدلہ آپ سے لیا ہے۔ فلم کا پٹرا اور آپ کا بیڑا غرق کیا ہے۔ یہ تو آپ کی شرافت ہے کہ اسے پیٹنے سے باز رہے ورنہ کوئی اور ہوتا تو اس کا گلا دبا دیتا۔ آفرین ہے آپ کی نرم طبیعت پر جو یوں چپ چاپ غموں کی نئی چادر اوڑھے بیٹھے ہیں' دوسرے دوست نے مسکہ لگایا۔

بات کا رخ بدلنے کے لئے پہلے دوست نے مثال پیش کی ''آ۔ہا۔ ہا وہ کیا بہترین سین ہے جس میں ہیرو گدھے کی دم پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹتا ہے اور گدھا ڈھینچو ڈھینچو.....'' دوسرا دوست اسے کہنی مار کر خاموش کرتا ہے اور وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کہتا ہے ''اس سین کی موسیقی واللہ جواب نہیں۔ صاحب میں تو جھوم ہی گیا باوجود اس کے کہ تماشائیوں کے نازیبا الفاظ گدھے کے بارے میں کانوں میں پڑ رہے تھے''۔

فلمساز عقلمندی کا مزید ثبوت پیش کرتا ہے ''اور وہ سین کیسا ہے جس میں ہیروئن گدھے پر سوار ہوتی ہے اور ہیرو گدھے کی لگام پکڑے آگے آگے چلتے ہوئے مزیدار گانا گاتا ہے۔ افسوس کہ اس سین میں ڈائریکٹر نے مریل سا گدھا کہیں سے کرائے پر لے کر یہ سین فلمایا۔ کاش وہ ذرا طاقتور موٹا تازہ گدھا لے کر وہ سین فلماتا۔ مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ دو تین بار ہیروئن گدھے کی مستی کی وجہ سے گرتے گرتے بچی۔ اگر وہ گر پڑتی اور ہڈی پسلی ٹوٹتی تو فلم کی تکمیل میں کافی تاخیر ہوتی''۔

Marfat.com

پہلا دوست مسکراتے ہوئے کہتا ہے ''جناب فلم کی تکمیل میں تاخیر ہوتی تو اتنے افسوس کی بات نہیں تھی جتنا فلاپ ہونے کا دکھ ہے۔ آپ کے منفرد انداز کے سین بھی فلم کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکے۔ افسوس، صد افسوس!''

دوسرا سنجیدگی سے کہتا ہے ''تو قصور ڈائریکٹر کا ہوا ناں۔ انہوں نے تو کیسے کیسے انوکھے، نئے انداز کے اور دلکش سین لکھے تھے۔ ایسے سین جو تماشائیوں نے آج تک نہیں دیکھے ہوں گے۔ جدت اسی کا نام ہے۔ تازگی اسی کو کہتے ہیں''۔

''کیوں نہیں۔ یہ تو آپ کی فلمی صنعت اور چربہ فلمسازوں پر بہت بڑا احسان ہے''۔ پہلا دوست اظہارِ خیال کرتا ہے۔

''شکریہ آپ دونوں کا۔'' فلم ساز آداب عرض کے انداز میں کہتا ہے۔

''حیرت کی بات تو یہ ہے کہ فلم کی تکمیل کے دوران میرا بلڈ پریشر نارمل تھا لیکن ڈائریکٹر کا بہت حد تک ہائی بلڈ پریشر تھا۔ فلم کی ریلیز کے بعد وہ لو بلڈ پریشر کا مارا چپ چاپ اور پر سکون بیٹھا ہے۔ اس نے اپنا ہائی بلڈ پریشر مجھے منتقل کر دیا ہے۔ نامعقول گدھا!''

پہلا اظہارِ خیال کرتا ہے ''ہاں جناب! آپ کے چہرے سے تو یہی لگتا ہے کہ آپ ہائی بلڈ پریشر کے مریض بن چکے ہیں۔ اللہ آپ کو شفا دے گا''۔

فلمساز انکشاف کے لہجے میں کہتا ہے ''چھوڑو ان باتوں کو۔ شاید آپ لوگوں نے فلم کے مکالموں پر غور و خوض نہیں کیا''

''غالباً مکالمے بھی آپ کے پارکر پین کا کرشمہ ہیں۔ خوب! بہت خوب!!''

پہلا دوست داد کے انداز میں کہتا ہے۔ ''لیکن دوست افسوس ہے کہ ایک مکالمہ سنسر بورڈ کی قینچی کی نذر ہو گیا۔ اگر وہ مکالمہ فلم میں ہوتا تو فلم نہ صرف کامیاب ہوتی بلکہ مجھے اس مکالمے پر متعدد ایوارڈ بھی ملتے'' فلم ساز نے غمگین صورت بنا کر مکالمے کا ماتم کیا۔

''افسوس۔ لاکھ افسوس! جی یہ سنسر بورڈ والے بھی عجیب اللہ والے لوگ ہوتے ہیں'' دوسرا دوست بولا۔

''تاہم ایک گانا جس میں ہیرو اور کامیڈین ایک دوسرے کے کان اینٹھتے

Marfat.com

ہوئے گاتے ہیں۔ کیا جدت اور حدت کا حامل ہے سین بھی اور گانا بھی'' پہلا دوست تعریفی لہجے میں کہتا ہے۔

''یہ مزاحیہ گانا بھی میرے زورِ قلم کا نتیجہ ہے'' فلمساز موڈ میں آکر انکشاف کرتا ہے۔ ''نہ جانے پھر فلم کیسے فلاپ ہوگئی!'' دوسرا دوست ہاتھ ملتے ہوئے مسکرا کر کہتا ہے۔

''تماشائی اچھی فلموں کی قدر نہیں کرتے، عزیز دوستو!''

''افسوس اور رنج کا یہ آخری مقام ہے، میرے خیال میں'' فلمساز یہ کہہ کر روہانسا ہو جاتا ہے۔

''آپ کی کھری کھری اور دلدوز باتیں سن کر تو ڈائریکٹر کو بے تحاشا پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے اسے کچھ نہیں کہا؟'' پہلا دوست سوال کرتا ہے۔

دوسرا مداخلت کرتے ہوئے کہتا ہے ''بھئی خاندانی لوگ بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لیتے ہیں لیکن ہاتھا پائی کرتے ہیں نہ کسی کا گریباں چاک۔ آپ خاندانی فلمساز ہیں، اسی لئے ایسے نالائق ڈائریکٹر کو بھی اُف تک نہیں کہا۔ چاہتے تو اپنے پالتو غنڈوں سے اسے پٹوا کر کچھ تو دل کا غبار نکال سکتے تھے، لیکن داد دیجئے کہ یہ چپ چاپ بھاری نقصان برداشت کر گئے۔''

فلم ساز خوش ہو کر کہتا ہے ''شکریہ آپ کا۔ میرے دل کی باتیں آپ نے کہہ دیں۔ چچا غالب نے شاید آپ دونوں کے لئے یہ شعر کہا تھا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ، جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ، گویا یہ بھی مرے دل میں ہے

بور ہو کر پہلا دوست مطلب کی بات زبان پر لاتا ہے ''آپ دوسری فلم شروع کرنے سے پہلے مجھ سے کہانی لیجئے گا۔ کیا زبردست کہانی لکھی ہے میں نے!''

فلم ساز قہقہہ لگا کر کہتا ہے ''ہاں! اگر فالتو پیسہ ہوا تو!''

اس انکشاف پر دونوں شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتے ہیں۔

.....☆☆.....

Marfat.com

ذکر کچھ دیباچہ نگاری کا

نئے مصنف کا کسی بھی موضوع پر کتاب لکھ کر چھپوانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔لیکن ذہین مصنف مشکلات کا رونا رونے کی بجائے، دوسرے زاویئے سے بات شروع کرتا ہے، جس میں رجائیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔اسی لئے اپنی پہلی کتاب کے دیباچے میں اکثر وہ ان صاحب یا صاحبان کا شکریہ ضرور ادا کرتا ہے جنہوں نے اس کی کتاب کی نوک پلک درست کرنے میں قابل قدر تعاون کیا ہوتا ہے..... اب تعاون کا ہمیشہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ غلط جملوں کی تصحیح کی گئی یا الفاظ میں ردو بدل کر کے رعب جمانے کے لئے عربی و فارسی کی پیوندکاری کی گئی۔محاوروں میں کھینچا تانی، زور اور جاذبیت پیدا کرنے کے لئے کی گئی یا پیراگراف از سرنو ترتیب دیئے گئے کہ پہلے ترتیب ہی غلط تھی! بلکہ ان میں سے کوئی ایک یا دو باتیں تعاون کے زمرے میں آتی ہیں۔بعض اوقات مصنف تعاون کی نوعیت کا واضح اشارہ کر دیتا ہے کہ زبان و بیان اور املا کی کوتاہیوں کو رفع کیا گیا یا حشو و زوائد سے پاک کر کے تحریر میں اختصار کو جگہ دی گئی وغیرہ وغیرہ۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نئے مصنف کی کتاب چھاپنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ جب وہ مختلف حیلوں وسیلوں سے کسی نامور پبلشنگ ادارے کو رام کرنے میں ناکام رہتا ہے تو سفارشی ذرائع کا سہارا لیتا ہے اور ان کے ذریعے دباؤ ڈالتا ہے۔اس اثناء میں کسی ایسے نقاد کی تلاش بھی جاری رکھتا ہے جو نرم و سبک اور کسی حد تک تحسین آمیز لہجے میں فلیپ لکھ کر دے سکے۔اگر پبلشنگ ادارہ دوسرے شہر میں ہو تو رنگین لفافے میں ایک نمکین سا خط لکھ کر اسے یقین دلایا جاتا ہے کہ اگر وہ دل کڑا کر کے اس کی کتاب چھاپ

Marfat.com

ڈالیں تو یقیناً اس کے کئی ایڈیشن سال دو سال میں نکل سکتے ہیں۔ معاوضے کی بات بھی نہیں چھیڑی جاتی مبادا وہ غصے میں آ کر خط بمع رنگین جوابی لفافہ پرزے پرزے کر ڈالیں! جواب تو درکنار ہا۔

جب پھر بھی کوئی ادارہ ان حربوں شربوں سے قابو میں نہیں آتا تو کسی بارسوخ اور مشہور و معروف مصنف، شاعر، نقاد وغیرہ کی سفارش کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس سے سفارشی چٹ لی جاتی ہے۔ فون بھی کرایا جاتا ہے کہ چٹ کے کچے دھاگے پر بھروسہ کرنے کی بجائے بات چیت کی مضبوط ڈور کا سہارا لیا جائے جب اس کی بھاگ دوڑ اور محنت، کامیابی کی من موہنی صورت دیکھ لیتی ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ جس کا اظہار بعد میں اس کے دیباچے میں واضح طور پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے محسن کی بے پایاں مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ وہ صاف صاف یہ تو نہیں کہتا کہ میری کتاب کوئی چھاپنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا اور مسودہ پڑھنے کی بجائے سونگھ کر واپس کر دیتا تھا یا زیادہ سے زیادہ ایک دو صفحات پڑھنے کے بعد اس کا چہرہ بوریت سے متغیر ہو جاتا تو وہ مسودہ کتاب بغیر شکریہ ادا کئے لوٹا دیتا تھا۔ تاہم دبے دبے الفاظ میں یہ ضرور اعتراف کرتا ہے کہ فلاں صاحب نے میری مشکل کشائی کی تب کہیں جا کر اسے اپنی کتاب کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا۔

بہرحال کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں نئے مصنف کی شکر گزاری اور ممنونیت کے احساسات کا اظہار، سب کچھ اپنی جگہ درست سہی..... لیکن ہمارا ماتھا وہاں ٹھنکتا ہے، جب کتاب کے دیباچے کے آخری حصے میں مصنف اپنی شریک حیات کی اکثر مدح سرائی میں زوردار اور پرلطف چند سطریں لکھتا ہے جن میں عجز و انکساری اتنی زیادہ ہوتی ہے جیسے مصنف نے کتاب خود نہیں لکھی بلکہ بیوی نے زبردستی لکھوائی اور نوک پلک بھی درست کی ہے۔ مصنف کے اس طرز عمل کا تسلی بخش جواز سوائے مصنف یا اس کی اہلیہ کے اور کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ تاہم ان مدحیہ سطور کو پڑھنے کے بعد اندازہ لگانے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آ سکتی کہ مصنف پر ان سطور کو لکھنے سے پہلے گھر میں کیا بیتی ہو گی! اس

Marfat.com

سلسلے میں چند مدحیہ سطور کے نمونے ملاحظہ ہوں جن سے شاید آپ میرے خدشے کا تھوڑا بہت یقین کر سکتے ہیں۔

''حق تو یہ ہے کہ اس کتاب کو منظر عام پر لانے والی ہستی میری شریک زندگی ہے۔ جس نے شریک حیات کے ساتھ ساتھ شریک کتاب بن کر میری ہر لمحے دل جوئی، ہر لمحے حوصلہ افزائی وغیرہ کی۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب قارئین تک پہنچی۔ اگر میری شریک حیات شریک کتاب نہ ہوتی تو میں کبھی مصنف بننے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا!''

''اس کتاب کی تیاری میں اگر میری شریک حیات زبان و بیان کی کوتاہیوں کی طرف بروقت اشارے کنائے نہ کرتی اور دست تعاون بڑھانے سے اغماض برتتی، تو یہ کتاب اتنی دلچسپ اتنی بھرپور اور اتنی مکمل ہرگز نہ ہوتی جتنی اب آپ اسے پائیں گے''۔

''اور آخر میں اس ہستی کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا اہم فریضہ تصور کرتا ہوں، جس نے قدم قدم پر میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور وہ ہستی ہے میری شریک زندگی! اگر کتاب میں اب بھی آپ کو جھول نظر آئیں اور فقروں میں سستی اور الفاظ کی درستگی کی تشنگی محسوس ہو تو سارا الزام بندہ اپنے سر لیتا ہے! اور میری شریک حیات ہر قسم کی کوتاہیوں کی ذمہ داری سے مبرا ہے اس لئے کہ اس نے تو ہر لمحے، بلکہ قدم قدم پر میری صحیح رہنمائی کی، قدم میرے ہی ڈگمگائے، جس کا خمیازہ میں بھگتنے کے لئے تیار ہوں!''

''اس قبیل کے مدحیہ پیراگراف ہم نے کچھ کتابوں کے دیباچوں میں پڑھے ہیں میرے خیال میں (ممکن ہے صحیح بھی ہوا) یہ چند سطور بیگم کی دھونس دھانس کے نتیجے میں ایک نیا صاحب کتاب آخر میں مجبوراً لکھتا ہے۔ کیونکہ بیگم یہ نہیں چاہتی کہ اس کا تابعدار شوہر دوسری عورتوں/لڑکیوں کی توجہ کا مرکز بنے اور انہیں اس مغالطے میں مبتلا کرے کہ وہ کنوارا ہے۔ وہ بخوبی جانتی ہے کہ جب کسی پڑھنے والی کو کتاب پسند آتی ہے تو وہ مصنف کو تعریف کا خط لکھتی ہے (اس کا الٹ بھی صحیح ہے) اور ڈرتے ڈرتے آخر میں دبے دبے لفظوں میں پوچھ لیتی ہے کہ ''کیا آپ تنہا زندگی گزار رہے ہیں اگر یہ سچ ہے تو آپ سے مجھے دلی ہمدردی ہے.....''۔

Marfat.com

اس قسم کی ڈرامائی سچوایشن پیدا ہونے سے روکنے کے لئے پیش بندی کے طور پر مصنف کے نہ چاہنے کے باوجود بھی بیوی اس سے دیباچے کے آخری پیراگراف میں اپنا ذکر ضرور کرواتی ہے۔ یوں وہ نہایت ہوشیاری سے مصنف شوہر کے متوقع رومانس کی امید پر چار چھ سطور اپنی مدح میں لکھوا کر پانی پھیر دیتی ہے!

اب ذرا غور کیجئے کہ صنف نازک اگر صاحب کتاب بن جائے تو وہ کیا طرز عمل اختیار کرتی ہے۔ اس کے عمل میں ہوشیاری اور دور اندیشی کے سارے اجزاء مرکب صورت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ میں نے کسی مصنفہ کو اپنے شوہر کے قلمی یا دیگر تعاون کا اپنی کتاب کے دیباچے میں شکریہ ادا کرتے کبھی نہیں پڑھا۔ بلکہ شوہر کا ذکر تک غائب ہوتا ہے۔ وہ اپنے معاملے میں بڑی حساس اور ہوشیار ہوتی ہے۔ شوہر کی دکھتی رگ اپنے قبضے میں رکھتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اگر شوہر کی تعریف کی تو وہ اپنے آپ کو ''شہزادہ'' تصور کر کے اسے نظر انداز کرنے لگے گا۔ اور اس کی تعریف کے لئے آنے والی سہیلیوں اور دوسری خواتین کو میٹھی نظروں سے دیکھنے سے ذرا نہیں ہچکچائے گا۔ لہٰذا وہ اپنے ہاتھوں اپنی اوقات کم نہیں کرنا چاہتی..... جبکہ شوہر کو اپنی زلف کا اسیر بڑے پریم سے بنائے رکھتی ہے۔

یقیناً ''قلم کار بیوی اپنے شوہر سے تھوڑی بہت مدد اور اشارے وغیرہ ضرور لیتی ہوگی (بشرطیکہ شوہر ذہین و فطین اور ادبی رجحان رکھتا ہو) اور شوہر اپنی نصف (آج کل بیوی کو ''مجھ سے بہتر'' بھی کہا جانے لگا ہے) کی تھوڑی بہت مدد بھی کرتا ہوگا۔ امکان یہی ہے کہ بیوی آخر میں اس کے مشوروں اور اشاروں کا تمسخر اڑا کر، لیکن در پردہ ان مشوروں اور اشاروں کو روبہ عمل لاتی ہوگی۔ اس طرز عمل کو آپ کوئی سا نام دے لیں، لیکن اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتے کہ جسے مرد ''صنف نازک'' کا نام دے کر خوش ہو لیتا ہے، ذہنی محاذ پر اس سے شکست فاش کھا جاتا ہے!

میں جب کسی کتاب کے دیباچے میں مصنف کو بیوی کی تعریف میں رطب اللسان پاتا ہوں تو میری شدید خواہش ہوتی ہے کہ مصنف سے ملوں اور اگر موقع ملے تو

Marfat.com

اس کی شریک کتاب سے بھی..... سچ اور جھوٹ کی صحیح تصویر تو مصنف کی بیوی سے کتاب کے بارے میں گفتگو کر کے ہی سامنے آسکتی ہے کہ شوہر کو صاحب کتاب بنانے والی ہستی، خود کتنے پانی میں ہے۔

.....☆☆.....

Marfat.com

مجھے بچوں سے بچاؤ

عنوان پڑھ کر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ بچے، پاگل یا مجنوں سمجھ کر پتھر برسا رہے ہیں اور میں اُن کے آگے آگے ''مجھے بچوں سے بچاؤ'' کا شور مچاتے، ننگے پاؤں، پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور بال بکھرائے دوڑ رہا ہوں۔ جی نہیں! دراصل ہمارا اشارہ ایسے بچوں کی طرف ہے جو دیکھنے میں بڑے بھولے بھالے بلکہ غریب مسکین نظر آتے ہیں، لیکن ہوتے وہ فساد کی جڑ اور شرارت کی پوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم حفظ ماتقدم کے طور پر اُن سے کھنچے کھنچے، بلکہ سہمے سہمے سے رہتے ہیں اور ان کے سامنے چہرے پر رنجیدگی کا لبادہ اوڑھے رکھتے ہیں تا کہ وہ فری اور بے تکلف ہونے کی بے دھڑک کوشش نہ کریں! ممکن ہے متعدد بچوں کے والدین لال پیلے ہو کر معترض ہوں کہ اگر تمہیں بچوں نے ستایا، رلایا یا ناک میں دم کر رکھا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم ''مجھے بچوں سے بچاؤ'' کا نعرہ بلند کر کے معصوم بچوں کے خلاف والدین کا پارہ چڑھاتے پھرو! تو صاحب! میں یہ مضمون اس لئے ہرگز سپردِ قلم نہیں کر رہا کہ والدین کو طیش دلا کر بلکہ ورغلا کر بچوں کی گوشمالی اور پٹائی کرانا چاہتا ہوں بلکہ میں تو اپنے تجربات کا نچوڑ ضبطِ تحریر میں لا کر والدین کو ایسے منہ پھٹ، صاف گو، کھرے اور سچے بچوں سے محتاط رہنے کا مشورہ دینا چاہتا ہوں تا کہ وہ بھی میری طرح زخم خوردہ ہونے کے بعد، بچوں سے بدکنے، ڈرنے اور کنی کاٹنے نہ لگیں۔ کیونکہ ایسی احتیاط سے غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے بیزار ہو کر پہلے ڈانٹتے ڈپٹنے کی منزل پر پہنچتے ہیں پھر وہاں سے مار کٹائی کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آخر کار لاتوں گھونسوں پر اتر آتے ہیں۔

بچوں میں دور اندیشی اور سوچ بچار کا مادہ نہ ہونے کی وجہ سے موقع محل کی

Marfat.com

نزاکت کونظر انداز کر کے وہ سچ اگلنے میں بڑی فرحت محسوس کرتے ہیں۔ان کے ناعاقبت اندیش رویے اور حماقت سے کسی پر کیا گزرے گی، اس کا ادراک نہیں رکھتے۔ وہ تو بس اپنی ذہنی اڑان کے مطابق عمل کرنے میں ہی خوشی پاتے ہیں۔ پچھلے دنوں سالے کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ اتنے میں ہمارا پانچ سالہ لاڈلا آ گیا۔ وہ اپنے ماموں سے بہت زیادہ مانوس صرف اس لئے ہے کہ ماموں اگر اسے مٹھائی یا پھل لا کر نہ دے تو جاتے وقت کچھ نقدی ضرور دے جاتا ہے۔ لہٰذا ماموں کو دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور پھر وہ امی، ابو، چھوٹے، بڑے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ خیر! ماموں کی گود میں بیٹھ کر مجھے دیکھتے ہوئے یوں مسکرانے لگا جیسے یہ اعزاز وہ صرف انہیں ہی عطا کر سکتا ہے مجھے نہیں! باتوں باتوں میں میرے سالے نے بتایا کہ میں گزشتہ صبح آیا تھا لیکن تم شاید سویرے ہی کہیں چلے گئے تھے۔ ہم نے متوالی زبان رکھنے والے اپنے بچے کو غصے میں گھورتے ہوئے جواب دیا، ہاں! ایک جگری دوست کے یہاں سویرے ہی نکل گیا تھا جو سعودی عرب سے حال ہی میں لوٹا ہے، اور پھر شام کو ہی لوٹنا ہوا تھا۔ یہ سنتے ہی ہمارا لاڈلا ماموں کی گود سے نکل کر میری طرف پیٹھ اور ماموں کی طرف منہ کر کے بولا ''ماموں جان! ابو جھوٹ بول رہے ہیں، جب انہوں نے آپ کی آواز سنی تو چپکے سے پچھلے دروازے سے چلے گئے تھے اور امی کو منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ بتائیں!''

خفت مٹانے کے لئے ہم نے جھٹ لاڈلے کو گرفت میں لے کر اپنی گود میں زبردستی گھسیٹتے ہوئے کہا ''یہ کل کی نہیں بلکہ تین دن پہلے کی بات ہے میرے پیارے بیٹے، جب میں کسی اور کے پکارنے پر پچھلے دروازے سے چپکے سے کھسک گیا تھا۔

ہم نے نامعقول لاڈلے کو سخت گرفت میں رکھا کہ تردید نہ کر دے۔ اس کے دونوں گالوں میں زور سے چٹکی بھرتے ہوئے کہا ''بیٹا! تم تو پیدائشی بھلکڑ ہو۔ ناقص اطلاعات نہیں دیا کرتے، غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لئے''

نامعقول لاڈلے نے بہت زور لگایا لیکن ہم نے مضبوطی سے دبوچے رکھا کہ کہیں مزید بھانڈا نہ پھوڑ دے کہ تین دن پہلے تو ابو آفس بھی نہیں گئے تھے، سارا دن گھر

Marfat.com

میں بیٹھے جاسوسی ناول پڑھتے اور امی کو بار بار مداخلت پر بے تحاشا ڈانٹتے ڈپٹتے رہے تھے۔

سالے صاحب نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا ''خیر! تین دن پہلے تو میں نہیں آیا تھا، ممکن ہے کوئی اور ہو'' ہوسکتا ہے! ہوسکتا ہے! ہم نے بزرگوں کی طرح سر ہلاتے ہوئے کہا اور لاڈلے کو چائے کی پیالیاں پکڑاتے ہوئے ڈانٹ کے انداز میں حکم دیا ''یہ جا کر ماں کو دو تا کہ وہ دھوڈالے اور فوراً باہر جا کر کھیلو کود اور جان بنا۔ یونہی ہر وقت دوستوں سے کھنچے کھنچے مت رہا کرو، ہنسا بولا کرو۔ نالائق کہیں کے!''

لاڈلے کے جانے کے بعد ہم نے شرمندگی کے آثار چہرے سے مٹانے کے لئے موضوع بدل کر دورِ حاضر کی سیاست پر بے تکی ہانکنی شروع کر دی اور سالے صاحب یوں کھل کر مسکرانے لگے جیسے انہوں نے ہمارا جھوٹ پکڑ لیا ہو اور ہم خفت مٹانے کی کوشش ناکام کر رہے ہو۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ہماری بیگم نے مسکراتے ہوئے بڑے ناز و ادا سے فرمائش کی کہ شام کو لوٹتے ہوئے ایک عدد میرے لئے شلوار قمیض کا وہ کپڑا لیتے آیئے گا جو 8 بجے کے ڈرامے سے پہلے اشتہار میں دکھایا گیا تھا۔ اتفاق سے آفس پہنچے تو طبیعت ناساز ہوگئی اور پھر بیوی کی فرمائش ہی ذہن سے اتر گئی۔ شام کو خالی ہاتھ گھر لوٹے تو بیوی نے ہمارے چہرے کی اناللہ کی کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا ''نہیں لائے نا آپ میری شلوار قمیض کا کپڑا؟ میں جانتی تھی ایسا ہی ہوگا''۔ وہ خفا ہو کر منہ لٹکا کر بیٹھ گئیں تو ہم نے وجہ بیان کی۔ وہ غصے میں طنز کو ملا کر تیز لہجے میں بولیں ''ہاں..... ہاں..... گھر آنا تو آپ کو یاد رہا، لیکن میری معمولی سی فرمائش آپ بھول گئے۔ بہانے بازی تو کوئی آپ سے سیکھے''۔

بیگم کے طنز پر ہم جز بز ہو کر بولے ''خوامخواہ شک نہ کرو، کل لے آؤں گا''

روہانسی ہو کر بولیں ''کل کبھی نہیں آتا۔ آپ ہمیشہ اسی طرح بہانے بازی کرتے ہوئے کل کل..... کل کل کی رٹ لگائے رکھیں گے''۔

Marfat.com

ویسے ہی ہمارا سر باوجود مشہور معروف سر درد کی ٹکیاں نگلنے کے، سخت درد کر رہا تھا اوپر سے بیگم کی جلی کٹی اور سڑی باتیں سن کر طبیعت میں مزید خلل پڑنے سے چڑچڑا پن پیدا ہو گیا، جل کر کہا ''عقل سے پیدل! کیوں مغز چاٹتی ہے۔ چپ رہ!''

اور غصے میں ہمارا ہاتھ بصورت چپت بیگم پر اٹھ گیا اور وہ سسکنے لگی تو ہمارا چغل خور لاڈلا لال کمرے سے ایسے بھاگا جیسے کوئی بھوت پیچھے لگ گیا ہو۔ ابھی ہم میاں بیوی میں چخ چخ اور تو تو میں میں ہو رہی تھی کہ غصے میں بھری خوش دامن صاحبہ ہانپتے کانپتے آ پہنچیں اور پیچھے پیچھے سہما ہوا لاڈلا، بیوی سسک رہی تھی لیکن ماں کو دیکھتے ہی مسکرا دی۔ ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا بات ہوئی تھی بیٹی؟''

کچھ نہیں ماں! یونہی طبیعت کچھ صبح سے ست، ست ہے، بیوی نے بہانہ تراشا۔ ساس میرے قریب آ کر گرجی ''نامعقول! کیوں مارا میری بچی کو؟''

ہم نے بیوی کی تقلید کی ''کس نے مارا ہے اسے، اسے تو صبح سے نزلہ، زکام، سر درد وغیرہ ہے۔

''زکام، نزلہ ہے'' اس نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔ اور پھر لاڈلے سے مخاطب ہوئی کیوں منے! تمہاری ماں کو کب مار پڑی؟

منے نے میری غصے سے سرخ آنکھوں اور امی کے 'نہیں نہیں' کے انداز میں سر ہلانے کو نظر انداز کرتے ہوئے گھڑا ہوا جواب دیا ''جب ابو امی کو مار رہے تھے تو میں آپ کو بلانے گیا تھا''

یہ سنتے ہی ساس گرجی ''اگر تو میری بچی کو نہیں رکھ سکتا تو اسے میں ابھی لے جاتی ہوں۔ خبردار! جو آئندہ اس پر ہاتھ اٹھایا''

اور یہ کہہ کر اس نے میرے دونوں کان پکڑ کر زور سے اینٹھے۔ میں نے معاملہ رفع دفع کرنے کے لئے کہا ''اچھا بابا! اب تمہاری بچی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، میری توبہ ہے'' بیوی نے منانے کے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا ''امی جان! آپ بیٹھئے میں

Marfat.com

چائے بناتی ہوں"۔

ساس نے گھورتے ہوئے کہا "میں اس نامعقول کی چائے نہیں پیوں گی" ہم نے منت کرتے ہوئے کہا "غصہ تھوک دیجئے خالہ جان۔ اب ایسی غلطی کبھی نہیں ہوگی" اور واقعی ساس نے منہ پھیر کر غصہ تھوکا تو اتفاق سے تھوک سیدھا منے کے منہ پر گرا۔ اور وہ اپنی نانی کو غصے میں دیکھتا، منہ پونچھتا، بڑبڑاتا اور گالیاں بکتا ہوا باہر نکل گیا۔

ساس نے پوچھا "یہ تمہارا لاڈلا کیا بکواس کرتے کرتے گیا ہے؟"

ہم نے طنزاً کہا "آپ کی تعریف کرتے ہوئے گیا ہے" ساس غصے سے بولیں "نامعقول وہ تو مجھے برا بھلا کہتے ہوئے گیا ہے"۔

ہم نے بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا "پوچھئے اس سے، جس نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے اور ہر وقت ہلکی پھلکی گالیاں باہر بھی دوسروں کو دیتا رہتا ہے۔"

اور یہ سن کر بیوی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ رات کے کھانے پر ایک دوسرے کے پسندیدہ کھانوں میں مین میخ نکالنے پر لڑائی ہوگئی۔ پھر دونوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ صبح کام پر جاتے ہوئے ہم نے ایک نزدیکی ہوٹل میں ڈٹ کر ناشتہ کیا، تاہم یہ خیال رہ رہ کر ستا رہا تھا بیچاری بھوکی پیاسی ہوگی۔ شام کو گھر پہنچ کر مصنوعی کمزوری ظاہر کرتے ہوئے رومال ماتھے پر باندھ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ بیوی نے طبیعت پوچھی اور پھر کھانے کے متعلق پوچھا تو ہم نے غصے میں جواب دیا "کھانا نہیں زہر لا دو، جب تین چار وقت نہ کھانے کے باوجود زندہ ہوں تو آئندہ بھی کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں!"

بیوی نے امن کا سفید جھنڈا لہراتے ہوئے پیار سے کہا "تھوک دیجئے غصہ جناب! آپ کھائیں تو میں بھی دو چار نوالے حلق سے اُتاروں۔ میں بھی تمہاری طرح کل رات سے بھوکی پیاسی ہوں"۔

"اور میں تو جیسے پیٹ بھرا ہوں..... ہوں!" میں غصے میں گرجا۔

ابھی ہماری گفتگو جاری تھی کہ دوسرا لاڈلا اپنے ایک شریر دوست کے ساتھ

Marfat.com

کمرے میں داخل ہوا۔ ہم دونوں کی باتیں سن کر وہ ماں سے بولا ''امی! صبح آپ نے میرے جانے کے بعد پراٹھے پکا کر کھائے تھے!'' یکلخت میری بیوی کا رنگ اڑ گیا اور وہ گھبرا کر مجھے دیکھتے ہوئے لاڈلے پر آنکھیں نکال کر گرجی ''کون گدھا کہتا ہے، میں تو کل رات سے تمہارے ابو کی طرح بھوکی پیاسی ہوں''۔

لاڈلے نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا'' یہ میرا دوست کہتا ہے کہ صبح جب میں تمہیں ملنے آیا تو تمہاری امی باورچی خانے میں چپکے چپکے پراٹھے چائے کے ساتھ اڑا رہی تھیں''۔

میں نے موقع غنیمت جان کر بیوی پر طنز کیا'' تو آپ چوبیس گھنٹے سے بھوک پیاس سے نڈھال ہو رہی ہیں؟''

بیوی بوکھلا گئی اور مجھے منانے کے انداز میں بولی'' آپ تو تین چار وقت کے بھوکے پیاسے ہیں اب تو کھانا کھا لیجئے، کافی کمزور لگتے ہیں''۔

یہ سنتے ہی لاڈلے نے قہقہہ لگایا اور ماں سے بولا ''نہیں امی! صبح جب میں اسکول جا رہا تھا تو میں نے ابو کو سامنے ہوٹل میں حلوہ پوری اڑاتے دیکھا تھا۔''

ہیں! اتنا بڑا فراڈ!! بیوی نے ہماری طرف آنکھیں نکال کر کہا۔

اب کے ہمارا رنگ اڑ گیا۔ ہم نے ہکلاہٹ پر بمشکل قابو پاتے ہوئے لاڈلے کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

''جھوٹ مت بولا کرو، میں اس ہوٹل میں گیا ہی نہیں''

''جبھی میں کہوں کہ تین چار وقت کے بھوکے چہرے پر اتنی رونق کیوں ہے''! بیوی نے گھورتے ہوئے کہا۔

موقعے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ہم نے مجبوراً موڈ بدلا'' چلو گدھو! جھوٹوں کے استاد!! بھاگ جاؤ یہاں سے تم دونوں..... بڑوں کے درمیان غلط فہمیاں پھیلا کر انہیں لڑا کر تماشا نہیں دیکھا کرتے''۔

اور وہ دونوں ہنستے مسکراتے ہوئے بھاگ گئے، ہم نے ہنس کر بیوی سے کہا

Marfat.com

''لاؤ بھئی کھانا! کیا پھر پچھلی رات کی طرح بھوکا رکھو گی؟''

''ذرا صبر، کھانا گرم کر کے لاتی ہوں..... کبھی کبھار بھوکا بھی رہ لیا کرو،'' بیوی نے طنز کیا۔ اور تیزی سے باورچی خانے میں جا گھسی۔

.....☆☆.....

Marfat.com

جھگڑا صحیح ترجمہ کرنے کا

ایک دن مرزا شگفتہ کے دفتر پہنچا تو دیکھا کہ وہ دو دوستوں کے درمیان بیٹھے بے تحاشا ہنس رہے ہیں اور ان کے دونوں سنجیدہ دوست ''یہ ماجرا کیا ہے؟'' کہ تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ شگفتہ کے سامنے 20 سگریٹ والی ان کی پسندیدہ سستی برانڈ کی ڈبیہ پڑی ہوئی تھی، اس کے اوپر ماچس پڑی تھی جسے بوقت ضرورت ہم نے استعمال کرنا چاہا تو اندر تیلیاں ندارد!

حیرت کی بات نہیں تھی اس لئے کہ ان کے خیال میں ماچس رکھنے کا فائدہ ہی کیا کہ سگریٹ بیڑی پینے والے مانگ مانگ کر مفت میں خالی کر دیں۔ بھرم رکھنے کا صحیح طریقہ وہی تھا جو شگفتہ نے اپنایا ہوا تھا۔ بقول شگفتہ ہمارے ملک میں امریکہ کی طرح سیلف سروس کا الٹا مطلب لیا جاتا ہے۔ ماچس یا لائٹر آپ کے جیب یا ہاتھوں میں ہوں تو دوسرا سگریٹ نوش فوراً دانت نکال کر بغیر اجازت ماچس لائٹر لینے کے بعد کہے گا ''معاف کیجئے! کیا میں یہ استعمال کر سکتا ہوں!'' اس سے پہلے کہ آپ اس کی جرأت بے باکانہ پر حیرت کا اظہار کریں وہ استعمال کر کے آپ کو واپس کرتے ہوئے کہے گا ''شکریہ آپ کا!'' میرا تو تجربہ ہے کہ آدھی سے زیادہ ماچس یا لائٹر تو مانگنے تانگنے والے خالی کر دیتے ہیں۔ اس لئے میں ماچس یا لائٹر خالی خولی اپنے پاس رکھتا ہوں تا کہ ضرورت پڑنے پر کسی دوسرے سے یہ کہہ کر مانگ سکوں۔ ''معاف کیجئے، میرا ماچس/ لائٹر ختم ہو گیا ہے کیا میں آپ کا.....'' اور یہ سب سے سہل بلکہ باعزت طریقہ واردات ہے!

خیر! ہمیں شرمندہ پا کر شگفتہ نے فوراً دائیں طرف کے دوست سے لائٹر مانگ

Marfat.com

کر ہمیں گھور کر پیش کیا اور بولے۔ ''استعمال کے بعد فوراً اسے واپس کر دو''۔ کیونکہ شگفتہ کا خیال ہے کہ لائٹر غائب کرنے والے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں اور پھر اس کے Origin کے بارے میں پوچھتے ہیں اس کے کلر اور بناوٹ پر اوٹ پٹانگ تبصرہ کر کے یوں اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں جیسے بھول کر ایسا کر بیٹھے ہوں۔ اگر لائٹر دینے والا زیادہ با اخلاق ہو تو وہ لائٹر واپس مانگنے سے یقیناً شرماتا ہچکچاتا ہے اور یوں دوسرے کا کام بن جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد چائے آ گئی اور شگفتہ نے تین برابر حصوں میں چائے کے کپ اتنے بھرے کہ ان کے پیندے دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے اور ہم تینوں کو مسکرا کر پیش کیے۔ پھر ہم تینوں کو یوں مسکراتے ہوئے باری باری دیکھا جیسے دل ہی دل میں ہمارا تمسخر اڑا رہے ہوں اور پھر بولے۔ ''دوستو! اب یہ ہماری قسمت رہی کہ ایک کپ چائے باقی بچی ہے یا نہیں!''۔ چوتھا کپ منگایا گیا اور چائے کپ میں انڈیلی گئی تو وہ لبالب کپ سے چھلانگنے لگی۔ شگفتہ کی باچھیں پھیل گئیں اور ہم تینوں ایک دوسرے کی پیالیوں کے پیندوں کو گھورنے لگے۔

ہاں! تو شگفتہ کے بے تحاشا ہنسنے کی آج ایک معقول وجہ تھی۔ شگفتہ انٹر فیل ہیں لیکن جب کسی کو تعلیمی قابلیت بتاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بی اے تک پڑھا ہوں۔ ان کے دونوں دوست میٹرک پاس ہیں لہٰذا شگفتہ کا پلہ بھاری تھا۔ رہی ہماری بات تو بقول شگفتہ ''تم نے کراچی یونیورسٹی سے ڈگری لے کر تعلیم اور یونیورسٹی دونوں کو پبلک میں بدنام کر دیا ہے''۔ ہاں تو موضوع بحث انگریزی تحریروں کا سلیس اردو ترجمہ تھا جو بقول شگفتہ ''آج تک کسی سے نہیں ہو سکا''۔ ایک مقامی اخبار میں زیر عنوان (Why Grow old) صحت کے متعلق مختصر مختصر مضمونچے چھپتے تھے جو صرف نحیف و نزار بلکہ بیمار شیمار لوگ وقت گزاری کے لئے پڑھ کر خوش ہوتے اور عمل اس لئے نہیں کر سکتے کہ ہر روز ورزش وغیرہ کے بھانت بھانت کے طور طریقے بتائے جاتے جنہیں برتنے کیلئے ان میں

Marfat.com

وافر Stamina نہیں ہوتا!

شگفتہ اپنے ایک دوست کے ترجمے ''بوڑھے کیوں ہوں'' پر دانت پیسنے لگے کہ یہ ترجمہ انتہائی غلط اور پھسپھسا وغیرہ ہے۔ دوسرے دوست میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنا ترجمہ سنا کر شگفتہ کی مفت میں دو گھونٹ ملنے والی چائے سے ہاتھ دھو لیتے اور ہم اس لئے نہیں بولے کہ وہ فی الحال میزبان تھے اور ہم چائے کے مہمان..... اور شگفتہ کی رائے میں مہمان کو ہمیشہ میزبان کی عزت کرنی چاہئے کہ اسی میں مہمان نوازی کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ آخر دل کڑا کر کے ہم نے کہا ''یار شگفتہ! تم ہی مشکل حل کر دو ہم سب کی اُردو کمزور ہے اور تمہاری انگریزی اور اردو دونوں ماشاءاللہ ہیں''۔

شگفتہ نے مسکرا کر طنزیہ لہجے میں کہا ''لوسنو وائی گرو اولڈ کا صحیح ترجمہ..... دوبارہ دہراتا ہوں صحیح ترجمہ ہے، ''سٹھیا کیوں جائیں!''

ترجمہ سن کر ہم تینوں ان کی قابلیت پر مسکرانے لگے!

شگفتہ نے دانت نکالتے ہوئے دوبارہ ہم تینوں کو امتحان میں ڈال دیا اور پوچھا ''اچھا تم میں سے کوئی انگریزی فلم Don't Look Back کا صحیح ترجمہ بتائے''۔

شگفتہ کی ایک گھونٹ چائے ہمارے حلق کو آنے لگی۔ ایک دوست نے ترجمہ کیا ''پلٹ تیرا دھیان کدھر ہے''۔ جسے شگفتہ نے انتہائی حقارت سے رد کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ ترجمہ نہیں بلکہ سلیس اردو میں گالی ہے۔ دوسرے صاحب نے جو شگفتہ کے مستقل چائے پانی کے دوست تھے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''میں بتاؤ بھئی شگفتہ؟''

شگفتہ نے مالکانہ گرج سے اجازت دی۔ ''بتاؤ..... پوچھتے کیا ہو۔''

وہ بولے صحیح ترجمہ ہے ''مڑ مڑ کے نہ دیکھ۔''

شگفتہ کی دیکھا دیکھی ہم بھی مسکرانے لگے تو شگفتہ نے ہماری مسکراہٹ پر یہ کہہ کر بند باندھا دیا کہ ''تو کیا خواہ مخواہ دانت نکال رہا ہے۔ چل تو بتا۔''

ہم نے فلم کے متعلق تشریح کی کہ چونکہ فلم مزاحیہ تھی اور نام بھی مزاح کا عنصر

Marfat.com

لئے ہوئے تھا لہٰذا ترجمہ کرتے وقت انگریزی کی روح کو اردو کی روح میں منتقل کرنا اتنا آسان تو نہیں پھر بھی بہتر ترجمہ ہے۔ ''مت پیچھے دیکھ''۔

شگفتہ نے ہماری ''بہتر ترجمہ'' کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔ ''بہتر ترجمہ وہ نہیں ہمارا ہے تینوں کان کھول کر سن لو۔ ''مت دیکھ بے''۔

اور ہم شگفتہ کو یوں دیکھنے لگے جیسے انہوں نے ہم تینوں کو ہپناٹائز کر دیا ہو!

.....☆☆.....

Marfat.com

صرف بالغان کیلئے

یوں تو مرزا شگفتہ فلمیں بہت کم دیکھتے ہیں مگر ''بالغان کے لئے'' کا نوٹس انہیں ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور وہ ایسی فلم کبھی مس نہیں کرتے البتہ ایک اعتراض انہیں ضرور ہے کہ ایسی فلموں کو کم بالغ یعنی لڑکے اور زیادہ بالغ بوڑھے لوگ بھی ذوق وشوق سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اصولی طور پر دونوں کے لئے ایسی فلمیں ممنوع ہونی چاہئیں۔

کچھ عرصہ قبل کراچی میں ایک ٹکٹ میں دو مزے کا پروگرام بہت سے سینما ہاؤسز میں عام ہوتا تھا۔ اب کم سہی، لیکن ہوتا ضرور ہے۔ شگفتہ ایسے سینما مالکان کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مہنگائی کے زمانے میں بھی ایسی سستی عوامی تفریح مہیا کرنے پر عوام کو ان کا مشکور وممنون وغیرہ ہونا چاہئے۔ کہتے ہیں اس گئے گزرے زمانے میں بھی نیک لوگوں کی کمی نہیں ہے جو بالغان کی پسند کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ٹکٹ میں دو فلمیں دکھا دیتے ہیں اور عام طور پر ایسی فلمیں صرف بالغان کے لئے ہی ہوتی ہیں یعنی ایک تو چپڑی ہوئی دوسری دو دو۔ لیکن آج کل کے لڑکے بالے بھی بڑے شریر ہیں۔ وہ بھی ایسی فلموں پر جان چھڑکتے ہیں جو اس قوم کے معماروں کے اخلاق میں ترقی کی نشانی ہے۔

ورنہ تو ایک زمانہ ایسا تھا کہ ایسی فلموں کے لئے لائن میں کھڑے ہوئے لڑکوں کو کان سے پکڑ کر چلتا کر دیا جاتا تھا۔ زمانہ ترقی کر رہا ہے تو کم سن لڑکے کیوں اس سے محروم رہیں۔ انہیں بھی آخر یہ حق حاصل ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلیں۔ شگفتہ ایسے لڑکوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئندہ فلم انڈسٹری کو ہر قسم کے چہرے تلاش کرنے ہی نہیں پڑیں گے۔ فلیمیر یا کے مریض خود بخود فلم اسٹوڈیوز

Marfat.com

کے باہر دریاں بچھا کر ایکٹر کا چانس ملنے کا انتظار کیا کریں گے۔ یقیناً ہماری فلمی صنعت کا مستقبل روشن ہے اور وہ آرٹسٹوں کے معاملے میں بہت جلد خود کفیل ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ ہمیں وہ بالغان کے معیار کی انگریزی فلم میں لے گئے۔ جب ہیرو نے ہیروئن سے چھیڑ خانی کی تو شگفتہ ایک نعرہ مار کر بے چین ہو گئے۔ ہمیں ان کی یہ نازیبا حرکت بری لگی۔ اور ہمیں شگفتہ کی شرافت کے بارے میں جو تھوڑی بہت خوش فہمی تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔

پہلے ہم انہیں ایک خاص حد تک غیر شریف سمجھتے تھے۔ لیکن اس دن جو حرکتیں انہوں نے کیں اور جیسے واہیات نعرے بلند کئے اس سے ہمارا دل کھٹا ہو گیا جب ہم سینما ہاؤس سے باہر آئے تو انہوں نے پوچھا ''کہو یار کیسی فلم تھی؟''

جواب دیا ''ٹھیک تھی''

بولے: ''اماں اسے ٹھیک کہتے ہو۔ یہ تو کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے تو ایسی ایسی بالغان والی فلمیں دیکھیں ہیں کہ تم دیکھتے تو سیدھے ''کوچہ خاص و عام'' میں جا نکلتے۔

ہم نے اعتراض کیا ''شگفتہ زبان کو لگام دو۔ کیا تم نے ہمیں اتنا گرا ہوا سمجھ رکھا ہے''۔

چڑ کر بولے! اے ادمولوی! اپنے سیاہ سفید کرتوت ہم سے چھپاتے ہو۔ یار اتنے شریف بھی مت بنو اور ہم سے تم چھپے ہوئے ہی کتنے ہو۔

ہم نے غصہ سے پوچھا ''کیا مطلب ہے تمہارا''۔ آنکھیں نکال کر بولے ''پچھلے اتوار'' وہاں تم سعید کے ساتھ گئے تھے یا نہیں۔

بخدا ہمیں یقین نہیں تھا کہ اسے سب کچھ پتہ ہے لہٰذا چپ سادھ لی۔

کچھ عرصہ پہلے جب سنسر بورڈ نے یہ اعلان کیا تھا کہ عریاں مناظر پر قینچی استعمال کی جائے گی تو شگفتہ نے اعلان والے دن غصے میں دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولے سنسر والے خود تو مزے مزے کے مناظر بار بار دیکھ کر دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں اور پھر کاٹ پیٹ کر بے اثر فلم کی نمائش کی اجازت دے دیتے ہیں۔ یہ لوگ

Marfat.com

ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔زمانہ قیامت کی چال چل گیا لیکن ہمارا سنسر بورڈ ہنس کی چال بھی نہیں چل سکا۔تم ہی بتاؤ جس فلم میں تفریح کا عنصر نہ ہو تو ایسی فلم دیکھنے سے کیا فائدہ؟''

ہم نے کہا''خیر! ہر فلم میں مزاح وغیرہ تو کافی ہوتا ہے۔اب.....''

بات کاٹ کر بولے''ابے میں مزاح کی بات نہیں کر رہا۔تم مزاح کو تفریح کے زمرے میں شامل کرتے ہو میرا اشارہ بالغان کی (یعنی لڑکوں اور بوڑھوں کی بھی) دلچسپی برقرار رکھنے کی طرف تھا۔جب تک فلم میں جوشیلے، پھرتیلے اور زہریلے قسم کے مکالمے و مناظر نہ ہوں نوجوانوں، بوڑھوں اور لڑکوں کا دماغ خراب ہے کہ ایسی فلمیں دیکھیں۔ ایک تو ٹکٹوں کے دام چڑھ گئے۔اوپر سے سنسر والوں نے تفریح کا عنصر کم کرنا شروع کر دیا ہے۔باقی بچا کیا؟ خشک فلم اور بور مکالمے۔صاحب! اس سے تو اچھا ہے کہ آدمی سنڈے کے سنڈے سینڈز پٹ یا ایسے ہی کسی اور ساحلی مقام پر تشریف لے جائے جہاں میمیں نہاتی ہیں۔

میں نے تائید کی،صحیح کہتے ہو۔''لیکن کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ہر ایک کی اپنی اپنی تہذیب ہوتی ہے جس کے دائرے میں رہ کر لوگ حرکتیں کرتے ہیں''۔

بگڑ کر سوال کر بیٹھے''تو ہماری پنجابی فلموں میں الھڑ مٹیاروں کے خوبصورت عریاں اور دلکش رقص اور ہیرو، ہیروئن کے دل سے دل ملانے کو ہم یقیناً اپنی تہذیب کا نمونہ قرار دے سکتے ہیں؟''

میں نے تردید کی''ہرگز نہیں! وہ فلم سازوں کی غلط روش ہے جس کی وجہ سے ایسے واہیات مناظر پیش کیے جاتے ہیں اور سنسر بھی اجازت دے دیتا ہے۔''

کہنے لگے۔''تمہارا مطلب ہے ہیروئن بھی برقعے میں پردے پر آئے اور ہیرو اس کے قریب تک نہ پھٹکے۔''

ہم نے ٹوکا''صحیح بات کو مذاق میں مت اڑایا کرو شگفتہ۔ہمیں اپنی چادر میں رہنا چاہئے۔ترقی کے لالچ میں بے حیائی کو فروغ نہیں دینا چاہئے۔''

Marfat.com

طنزیہ لہجے میں بولے ''صحیح کہتے ہو۔ کھلی بے حیائی تو مغربی ملکوں کا زیور ہے اور ڈھکی چھپی بے حیائی ایشیائی ملکوں کا اور ایشیا میں آخر ہم بھی شامل ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا'' یقیناً اس دلیل کی تردید کرنا، شگفتہ کو طیش دلانے کے مترادف تھا۔ اور ہم ان سے دوستی توڑنے کے حق میں ہرگز نہیں۔ کہ جو سو روپے قرض دیئے ہوئے ہیں وہ واپس بھی لینے ہیں۔

.....☆☆.....

Marfat.com

قرض لے اور شرمندہ نہ ہو

مرزا شگفتہ جب کسی دکان میں:
قرض مقراضِ محبت ہے!
قرض مانگ کر شرمندہ نہ کیجئے!!
آج نقد کل ادھار!!!

لکھا دیکھتے ہیں تو جھنجلا اٹھتے ہیں۔ وہ اس قبیل کے بے مغز محاوروں اور چٹکلوں کے جانی و معانی دشمن ہیں۔ کہتے ہیں کہ قرض کو مقراضِ محبت کہنا ایسے ہی ہے جیسے ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کو انسان کی بجائے حیوان کہنا! آخر وہ بھی دوسروں کی طرح اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ تجربے، بے ایمانی اور وسیع معلومات کا سہارا لے کر اگر وہ اپنا بینک بیلنس بڑھاتے ہیں تو یہ ان کی لیاقت ہی ہوتی ہے۔ ورنہ تو تقریباً ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خوب کمائے۔ فرانس، برطانیہ اور امریکہ جا کر عیش و عشرت کے چند ہفتے گزارے اور وہاں کے پب، نیوڈ کلبس، ناچ گھروں کا مطالعہ کر کے وسیع معلومات سے ذہن کو چاک و چوبند رکھے اور زندگی کا صحیح لطف اٹھائے!

قرض مقراضِ محبت ہرگز نہیں ہو سکتی بشرطیکہ قرض لینے دینے کے مسلمہ اصولوں کو خوب سوچ سمجھ کر برتا جائے۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہنستے کیا ہو! سچی بات تمہیں ہمیشہ مزاحیہ معلوم ہوتی ہے۔ ہاں تو میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں نے جس جس سے قرض لیا، وہ مجھ سے آج تک ہمیشہ کے لئے ناراض نہیں ہوا۔ بخدا ایسے ایسے قرض خواہوں کو میں نے گھر بیٹھے کھڑکی کی چھید سے دیکھا ہے جو دن میں تین تین بار میرے گھر کے چکر لگاتے ہیں اور بوریت محسوس نہیں کرتے! اکثر تو ہٹلر

Marfat.com

کی طرح کمر پیچھے ہاتھ باندھے ٹہلتے اور میرے گھر کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں اور پھر خود ہی بیزار اور غصے سے لال پیلے ہو کر منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔ کھڑکی کی چھید سے مجھے ہمیشہ اسی طرح کے دلچسپ منظر نظر آتے ہیں اور میں خوب انجوائے کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ انسانی نفسیات کا مطالعہ کرنے کی عادت ہی مجھے اس قسم کے مناظر دیکھ کر پڑی ہے!

قرض وصول کرنے والا ہٹا کٹا جب کوئی آتا ہے تو وہ مجھے گھر پر نہ پا کر خوب پیچ وتاب کھاتا ہے۔ لگتا ہے کہ ابھی طیش میں آ کر میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے لاتوں، گھونسوں کی ضربوں سے توڑ کر اندر آ کر مجھے گریبان سے پکڑ لے گا۔ بلاشبہ اس کے دل میں اس وقت الاؤ سا جلتا ہے کہ اس کے چہرے پر غصے کے شعلے دہکتے ہیں۔ وہ مٹھیاں بھینچتا ہے۔ بار بار میری کھڑکی کو دیکھتا ہے کہ کہیں میں اس کی بدحواسی پر لطف اندوز تو نہیں ہو رہا۔ سر کو ہاں یا ناں کے انداز میں پاگلوں کی طرح دائیں بائیں حرکت دیتا ہے۔ جس سے مجھے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس جان لیوا کشمکش میں مبتلا ہے کہ جیسے ہی میرا سامنا ہو، وہ مجھے گردن سے دبوچ کر پٹخنیاں دے، ریت میں رگیدے، سڑک یا گلی میں بے تحاشا دوڑائے اور میرے انجر پنجر ڈھیلے کر دے لیکن جب اپنے ان غیر شائستہ اور غیر قانونی اقدامات کے نتیجے میں آئندہ کے بھیانک اثرات..... مقدمہ بازی اور سزا پر غور کرتا ہے تو اپنا غصہ پی کر نفی کے انداز میں سر کو نہیں کے انداز میں حرکت دیتا ہے کہ..... نہیں مجھے شگفتہ سے اس قسم کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے۔ بیچارا مجبوراً ہوگا۔ کبھی نہ کبھی تو قرض واپس کر ہی دے گا اور جونہی اس کے دل میں ایسے ترحم کے جذبات جاگتے ہیں وہ میرے گھر کے سامنے سے نپے تلے لیکن کانپتے قدموں سے ٹہلنے کے انداز میں غائب ہو جاتا ہے تو میں سکھ کا سانس لیتا ہوں کہ بالآخر بلا ٹلی!

اور یہی کیا، ہر روز کوئی نہ کوئی ''یار دوست'' میرے گھر پر ضرور آواز دینے آتا ہے۔ تمہارا اعتراض برطرف! میں اپنے قرض خواہوں کو ''یار دوست'' ہی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ کوئی اجنبی کو قرض کیوں کر دے سکتا ہے۔ یوں ہر روز ان ''یار دوستوں'' کی تشریف

Marfat.com

آوری کی وجہ سے میں محلے میں کافی مقبول ہوں۔ آس پڑوس والے میرا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ صرف دور سے سلام دعا کرتے ہیں اور میری کوشش کے باوجود گپ شپ لگانے سے محترز رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ کچھ بڑی بوڑھیاں بھی میری شکل غور سے دیکھتی اور اکثر مسکراتی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف میری عزت کرتی ہیں بلکہ وہ مجھے پسند بھی کرتی ہیں یوں اہل محلّہ کی میں محبوب شخصیت ہوں اگر قرض مقراضِ محبت ہوتا تو میرے کرم فرما، جنہیں تم ''قرض خواہ'' کہہ کر میرا خون کھولاتے ہو، میرے گھر پر ہی کیوں آتے اور اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے، کچھ ہنگامہ شنگامہ کئے بنا کیوں خالی ہاتھ لوٹتے۔ اس سے تم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان کے دل میں میرے لئے کتنا احترام ہے ورنہ وہ گالی گلوچ بھی کر سکتے ہیں..... مثلاً ''ابے شگفتہ..... اوشگفتہ..... شگفتہ کے بچے باہر نکل'' جیسے نامعقول کلمات کے ساتھ ساتھ میری اصلیت لوگوں پر ظاہر کر کے پورے محلے میں مجھے بدنام کر کے میری عزت کو خاک میں بھی ملا سکتے ہیں لیکن آفرین ہے اُن پر کہ وہ اخلاق کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے۔ قرض لینے اور دینے کے منفی و مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کر کے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے اور نہ دست و گریباں ہونے کا سوچتے ہیں کہ کس کنگلے کو قرض دے کر جان ضیق میں ڈال دی۔

بلاشبہ وہ دل میں برا بھلا کہنے کے ساتھ ساتھ نامعقول مجھے گالیاں بھی دیتے ہوں گے لیکن بظاہر وہ نہایت مہذب اور شریف نظر آتے ہیں۔ کاش ہمارے سیاستدان بھی یہی وطیرہ اپنائیں اور جلسے جلوس میں گالی گلوچ اور ایک دوسرے کو کرپٹ اور ملک لوٹو جیسے خطابات دینے سے گریز کریں تو کتنا زبردست مالی فائدہ حزب اقتدار اور اختلاف دونوں طرف کے کرتاؤں کو ہو! مل بانٹ کر کھانے میں فائدہ ہی فائدہ ہے!!

پوچھا: تمہیں قرض خواہوں کے دل کے حال کا کیسے پتہ چلا کہ وہ تمہیں برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے ہیں؟

مسکرا کر بولے: ''جب میں کسی سے قرض مانگتا ہوں تو میری بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ دل ہی دل میں جی بھر کر قرض نہ دینے والے کو برا بھلا کہتا ہوں۔ اُسے مختلف اقسام کی

Marfat.com

گالیاں دل ہی دل میں دیتا ہوں لیکن چہرے پر ہلکی سی اکتاہٹ یا ناراضگی بھی ظاہر نہیں ہونے دیتا بلکہ چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں بدستور موجزن رکھتا ہوں.....اب سمجھے!''

''جی! درست فرمایا تم نے''۔ میں اس کی منطق کو تسلیم کر لیتا ہوں۔

شگفتہ بولے: اور اب تو میں نے دل میں تہیہ کر لیا ہے کہ آئندہ الیکشن میں اپنی بے پناہ مقبولیت سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟

اس لمبی چوڑی اور لچھے دار تشریحات کا سلسلہ جب بالکل ہی ایک غیر متعلقہ قسم کے سوال پر ٹوٹا تو بے سوچے سمجھے جواب دیا۔ ''نیک خیال ہے''۔

پوچھا: کیا مطلب؟

ہم نے کہا: چار پیسے کما لو گے؟

بگڑ کر بولے: اس کا مطلب؟

عرض کیا: مخالف تمہیں اپنے حق میں بٹھانے کے لئے ضرور مالی پیشکش کرے گا۔

مزید بگڑ کر پوچھا: تو پھر!

جواب دیا: چار پیسے زیادہ دینے والے کے حق میں بیٹھ جانا۔ کچھ تو قرض ہلکا ہوگا۔

جھنجھلا کر کھڑے ہو گئے، بولے: ہمیشہ میرے خوش آئند مستقبل سے جلتے ہو۔ میں الیکشن میں ضرور حصہ لوں گا۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔

نرمی سے سمجھایا: الیکشن میں ضرور حصہ لینا۔ اس لئے کہ خودکشی سے کوئی کسی کو نہیں روک سکتا لیکن یہ تو سوچو کہ قرض خواہوں کا کیا بنے گا؟ تم نے متعدد لوگوں کو پیسے واپس کرنے ہیں اور ایسی کوئی سبیل نظر نہیں آتی کہ تم حساب بے باق کر کے ان سے چھٹکارا پا سکو۔ ہم نے تو تمہارے فائدے کی بات کی ہے۔ ذرا سوچو.....غور و فکر کرو!

قرض کی فکر کرنا داں، مصیبت آنے والی ہے۔

دوبارہ بیٹھ کر نرمی سے بولے: اچھا! یہ بات ہے تو میں قرضوں پر سوچ بچار کروں گا۔ اس لئے کہ کہتے تو تم سچ ہو کہ لوگوں کا قرض واپس کرنے کے لئے میرے پاس آمدن کا کوئی ذریعہ بھی نہیں۔ آخر وہ کب تک مجھے برداشت کریں گے۔ میرے

Marfat.com

جھوٹے وعدوں سے بہلیں گے۔ڈرتا ہوں کہیں ان میں سے کسی کے غصے کا سیلاب مجھے بہا کر نہ لے جائے اور میں سنٹرل جیل میں قیدیوں کا بغیر استری شدہ لباس پہنے تم کو نظر آؤں اور تم میری عجیب ہیئت کذائی پر جی کھول کر قہقہے لگاؤ اس وقت کے آنے سے پہلے، میں اب خوب دل لگا کر سوچ بچار وغیرہ کروں گا اور پھر اسی کے حق میں نہ صرف بیٹھوں گا بلکہ بمع اپنی بیوی کے ووٹ بھی دوں گا، جسے میرے قرض خواہوں سے ''سچی ہمدردی'' اور میرے دگرگوں حالات سے مکمل واقفیت ہونے کی صورت میں میری مالی مشکلات کا ہمدردانہ خیال ہوگا۔

خیال ہی نہیں بلکہ اس کے پاس عملی حل بھی موجود ہوگا!

.....☆☆.....

Marfat.com

کچھ بس اسٹاپ کے حوالے سے

اس مہنگائی کے دور میں اپنی ذاتی سواری کا مالک ہونا بڑی بات ہے۔ اکثر لوگ آمدورفت کی سہولت سے زیادہ صاحب اسکوٹر یا سیکنڈ ہینڈ کار کا مالک کہلانے کے شوق میں مختلف ذرائع سے قرض وغیرہ لے کر ان سواریوں کے مالک بن بیٹھے ہیں اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں تنگدستی کے ہاتھوں پیچ وتاب کھانے کے نتیجے میں ان کا بلڈ پریشر مسلسل بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ جبکہ گھر میں عام ضروریات زندگی کی مطلوبہ مقدار بتدریج کٹوتی کی وجہ سے بیوی کا بلڈ پریشر LOW ہوتا چلا جاتا ہے کہ ہیولا مزاج شوہر کے دوستوں کے سامنے مالک سواری ہونے کی ڈینگیں مارنے پر وہ کڑھتی ہے کہ ''ادھ جل گھگری چھلکت جاوے'' قسم کے شوہر کے افسوسناک رویے کا مداوا اس کے پاس نہیں ہوتا۔

ان ہی اندیشوں کے پیش نظر میں نے ذاتی سہولت کے لئے اسکوٹر یا سیکنڈ ہینڈ کار نہیں خریدی! اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کوئی مجھے قرض دینے پر تیار نہیں، یا میں لاٹھی کے ہاتھ، مال گزاری بے باک قسم کے قرض خواہوں کے ڈر سے قرض نہیں لیتا!! دراصل زندگی میں سکون واطمینان کو میں نے ہمیشہ دنیاوی آسائشوں پر ترجیح دی ہے تاکہ مالی کے ساتھ ساتھ دماغی بدحالی سے بھی محفوظ رہ سکوں۔ لہٰذا ''بے کار'' کہلانا مجھے پسند ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ عوامی سواری میں سفر کرنے والے کے اچھے بھلے دوست بھی اس لئے سلام ہلکی سی سر کی جنبش سے لیتے ہیں کہ اس کا اتنا مقدور بھی نہیں کہ ایک کھڑکھڑاتی سیکنڈ ہینڈ اسکوٹر یا دھکا اسٹارٹ کار ہی سواری کے لئے خرید لے!

بہرحال اپنے چہرے مہرے کے نوک پلک درست کرنے کے بعد میں بس اسٹاپ پر جا کھڑا ہوتا ہوں۔ رواں دواں ٹریفک کے شور کو برداشت کرتا ہوا ڈیزل کے

Marfat.com

مضر صحت دھوئیں سے پھیپھڑوں کو بچانے کے لئے ناک کو رومال کی اوٹ میں لے لیتا ہوں لیکن دھوئیں کی کڑواہٹ آنکھوں میں جلن ضرور پیدا کر دیتی ہے۔ تاہم پھر بھی میں اطمینان سے بس، ویگن، یا کوچ وغیرہ میں سفر کرتا ہوں۔ سفر کے دوران مزے سے کسی اخبار، رسالے یا کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں اور اگر موقع ملے تو ہنس مکھ مسافر ساتھی سے گپ شپ بھی مار لیتا ہوں۔ تاہم بات چیت میں سیاست کے حوالے سے تلخی یا بدمزگی کی بے ہنگم لہریں موجزن ہو جائیں یا سنجیدگی کا بوجھل پن در آئے تو پھر اس سے قطع تعلق کر کے راہ یا بازار کی ادھر ادھر بکھری رونق اور گہما گہمی سے لطف اندوز ہونے لگتا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ ذاتی سواری کے مالکوں کو اتنا اطمینان اور بے فکری کہاں نصیب ہوتی ہے جو بس ویگن میں سیٹ پر بیٹھ کر سفر کرنے والوں کا مقدور ہوتا ہے۔ انہیں تو ہر وقت ذہن کو چوکنا، کانوں کو کھلا اور آنکھوں کو بیدار رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں سامنے کی گاڑی سے ٹکر نہ ہو جائے یا اچانک بریک مارنے کی صورت میں پیچھے سے کوئی منچلا ڈرائیور ٹکر مار کر کار کا حلیہ نہ بگاڑ دے۔ یا پھر ٹریفک کانسٹیبل غیر معقول وجہ بتا کر جیب ہلکی کرنے کا سبب نہ بن بیٹھے۔ تاہم ایک معقول وجہ میرے ذاتی سواری نہ رکھنے کی یہ ہے کہ میں لڑکپن سے مزاج عاشقانہ رکھتا ہوں کہ جہاں کہیں چاندسی صورت یا نئے زمانے کی پروردہ مورت جدید لباس میں نظر آتی ہے تو پھر میری نظریں اس پر جیسے چپک کر رہ جاتی ہیں۔ اس میں خلل تب پڑتا ہے جب میں کسی راہ گیر سے ٹکرا کر شرمندگی سے Sorry کہتا ہوں۔ ذاتی سواری کا مالک بننا میرے لئے یقیناً کسی بس، ویگن یا کار سے ٹکرانے کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور میں زخمی حالت میں ہسپتال کے جنرل وارڈ میں اپنے آپ کو کراہتا ہوا پاؤں!

یادش بخیر! نوجوانی میں ہمارے فٹ بال کے کوچ کچھ زیادہ ہی ٹھرکی قسم کے بندے تھے۔ وہ ہمیں لیکچر دیتے کہ سگریٹ، بیڑی پینا یا چلم کے سوٹے لگانا فٹ بالر کے لئے زہر ہے۔ ویسے تو عشق و محبت کی لت بھی بندے کو کھیل کود سے بیگانہ کرتی ہے لہٰذا احتیاط ہو سکے تو سبحان اللہ! تاہم جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ماں کی لاڈلی دل کو بھا

Marfat.com

جائے تو پھر اسے یکسوئی سے گھورنے کو عادت بنالینا، آدھی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے اگر وہ جواب میں مسکرائے تو دولہا بننے کی امید بندھ جاتی ہے ورنہ.....اور یوں ہمیں کوچ کی عشق ومحبت میں کامیابی کی راہ مستقیم کی رہنمائی اور ہدایت پر عمل کرنے کی تحریک ملی تو یہ نسخہ اکثر ہم نے آزمایا لیکن نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔لیکن ایک مرتبہ تو واقعی ہماری نظریں ہر شے سے بے نیاز ہوکر ایک حسن کی دیوی پر جم گئیں۔ہم نے اسے مسلسل گھورنے کا عمل جاری رکھا تو اس نے دوبارہ ہمیں بغیر جذباتی انداز میں دیکھا لیکن پھر جو تیسری بار ہمیں شدید طور پر گھورتے پایا تو اس کے حسین وجمیل چہرے پر غصے کی لہریں ہمیں صاف دکھائی دیں اور جب اس نے ہاتھ اپنے نوکدار سینڈل کی طرف بڑھائے اور چند اور گھورنے والے نوجوانوں کو نظر انداز کر کے ہمیں بطور خاص نشانہ بنانا چاہا تو ذہن میں یہ شعر گونج اٹھا:

ہم تو سمجھے تھے ،کہ دشمن پہ اٹھایا خنجر
تم نے جانا کہ ،ہم تم پہ ہیں مرنے والے

لہٰذا مجبوراً ہم نے دفاعی پوزیشن کے طور پر چند قدم پرے ہٹ کر اسے اترا ہوا سینڈل دوبارہ زیب پا کرنے پر مجبور کر دیا۔

آج جب عمر کی آدھے سے زیادہ سیڑھیاں طے کر چکا ہوں تو جب بھی کوچ کا نسخہ کسی الھڑ مٹیار یا فیشن ایبل حسینہ پر آزماتا ہوں تو اس کی دبی دبی مسکراہٹ اور مجھے دیکھتے وقت کھلکھلا کر ہنسنا، شرمندگی کے حصار میں سمٹنے پر مجبور کر دیتا ہے اور جب وہ بڑی لجاجت بلکہ شرارت سے انکل کہہ کر مجھ سے مخاطب ہوتی ہے تو دل کی دھڑکن کی دھک دھک دھیمی ہوتے ہوتے جیسے رک جاتی ہے۔

خیر! آمدم برسر مطلب میں تو بڑے اطمینان سے تیار ہوکر بس اسٹاپ پر جا کھڑا ہوتا ہوں اور کسی ایسی بس یا ویگن میں سوار نہیں ہوتا جس میں ڈنڈا پکڑ کر یا کبڑے کی طرح جھک کر سفر کرنا پڑے۔ پیسے خرچ کر کے اذیت اٹھانا کہاں کی عقلمندی ہے! میں سیٹ پر بیٹھے جب کسی مسافر کو کھڑے دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ جیسے وہ دانت پیس رہا ہے کہ یہ

Marfat.com

نامعقول بے فکر ہو کر سیٹ پر براجمان ہے اور وہ خود کتنا احمق ہے جو کبڑا بنا ڈنڈا پکڑے، ہر جھٹکے کے ساتھ آگے یا پیچھے کھڑے مسافروں سے ٹکرانے پر Sorry کا لفظ بار بار زبان پر لانے کے لئے مجبور ہے۔ انسانی فطرت میں اس قسم کے جذبات بڑے طاقتور ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کی سہولت اور خود کو مصیبت یا مشکل میں دیکھ کر کڑھتا ہے اور رشک کی بجائے حسد کی آنچ سے ذہن کو مشتعل کرتا رہتا ہے!

تاہم خوش قسمتی ہمیشہ میرا ساتھ نہیں دیتی، اس لئے مجبوراً مجھے بھی کبھی کبھار اس تلخ تجربے سے گزرنا پڑتا ہے تب میں اکڑوں کھڑا یا ڈنڈا پکڑے پکڑے سیٹوں پر براجمان مسافروں کا جائزہ لیتا ہوں۔ کوئی بس ویگن کے بار بار رکنے یا پھر جھٹکے لگنے پر سیخ پا ہوتا ہے تو کوئی خواتین پر یکسوئی سے نظریں جمائے بے نیازی کے حصار میں قیدی بنا نظر آتا ہے اور وقفے وقفے سے حسرت بھری ٹھنڈی آہیں بھی بھرتا ہے۔ کسی مسافر کا بے چینی سے ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو غصے سے دیکھتا پا کر ادراک کر لیتا ہوں کہ وہ اس کی سست رفتاری پر چیں بہ جبیں ہو رہا ہے اور بار بار اپنی گھڑی کو دیکھتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ پٹھوں پر مار مار کر غصے کی لہروں میں بہنے سے خود کو بچاتا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ وہ وقت پر منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکے گا، دیگر مسافروں کو غصے سے دیکھتا ہے کہ وہ اس کے ہمنوا بن کر ڈرائیور کو مجبور کر سکتے ہیں لیکن سب چپ ہیں! ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامنے کی بے ہنگم ٹریفک راستہ نہیں دیتی تو شور اور ڈیزل کا دھواں بیزار کئے دیتا ہے۔ دھوئیں کی کڑوی بو سے الرجک بار بار کھانستے کھنکارتے ہیں لیکن مجبوری پاؤں کی زنجیر بنی رہتی ہے۔ اسی لئے میں ان ساری قباحتوں سے بچنے کے لئے اور سیٹ کے حصول کی خاطر وقت سے پہلے بس اسٹاپ پر جا کھڑا ہوتا ہوں تا کہ ڈنڈا پکڑ یا کبڑا بن کر کھڑا ہو کے خون کے گھونٹ پینے کی بجائے سیٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے تلخ تجربے کا کم سے کم احساس ہو!

بس اسٹاپ پر مختلف سمتوں سے لوگ آ کر اپنی مطلوبہ سواری کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ تاہم انتظار کا احساس اکثر کو نظروں کی تراوٹ کے اسباب موجود ہونے پر کوفت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ کچھ کی حرکتیں دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ اپنی فطری کمزوریوں کا

Marfat.com

شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی خوبصورت دوشیزہ یا حسین وجمیل باوقار محترمہ بس اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہو جائے تو پھر عمر سے قطع نظر اکثر غیر شائستہ حرکات کے مرتکب ہونے لگتے ہیں۔ کوئی کن اکھیوں سے دیکھتا ہے کوئی اپنے کپڑوں کی کریز ٹھیک کرتا ہے اور فرضی گرد جھاڑتا ہے کوئی چند قدم آگے اس کی طرف بڑھ کر جرأت مندی کا ثبوت دیتا ہے کوئی زور زور سے اپنے ساتھی سے اس طرح ہنس ہنس کر محو گفتگو ہوتا ہے جس میں اس کی شخصیت کی دلکش جھلکیاں اور اونچے لوگوں سے تعلقات اور بے تکلفی کا مظاہرہ شامل ہوتا ہے تا کہ قریب کھڑی صنف لطیف متوجہ ہو۔ کچھ تو ایسے چھچھورے ہوتے ہیں کہ بٹوہ جیب سے نکال کر نوٹ گننے لگتے ہیں اور کن انکھیوں سے دیکھتے بھی جاتے ہے کہ وہ صرف للچائی نظروں سے دیکھ رہی ہے، کڑھ رہی ہے یا بے پروا کھڑی ہے۔ کوئی احمق تو اپنی شادی کے متعلق فرضی داستان سنانے لگتا ہے کہ میں نے تو اپنے والدین سے کہہ دیا ہے کہ جو لڑکی مجھے پسند آئی، بغیر جہیز کے بھی اس سے شادی کرلوں گا اور پھر وہ پاس کھڑی لڑکی کا جائزہ لیتا ہے کہ وہ متوجہ بھی ہے یا نہیں! بس اسٹاپ پر فطرت انسان کے ان گنت زاویوں کا ادراک کر کے میں اکثر سوچتا ہوں کہ انسانی طبیعت ومزاج کے کتنے پسندیدہ و ناپسندیدہ چھچھورپن سے مُملو اور سنجیدگی کے بت آ کر بس اسٹاپ کو رونق بخش کر بالآخر تتر بتر ہو جاتے ہیں!

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بس اسٹاپ پر صنف نازک کی کرم فرمائیاں معدوم ہوتی ہیں۔ کچھ تو یوں بن ٹھن کر آتی ہیں کہ دوپٹے سے بے نیاز کھلی زلفوں کو جھٹک کر نوجوانوں کے جذبات میں ہلچل برپا کرنے کے علاوہ عمر رسیدہ حضرات کو بھی عینک کے شیشے بار بار صاف کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ کوئی یوں بے باکی کی تصویر بنی ہوتی ہیں کہ وہ جسے گھورتا پاتی ہیں تو اس کی طرف منہ کر کے زمین پر تھوک دیتی ہیں اور یہ عمل وہ ہر ایک دل پھینک سے روا رکھتی ہے۔ اس کے باوجود اکثر دیکھنے والے کو تو منہ میں مٹھاس گھلتی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس کی لذت محسوس کر کے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر محوِ نظارہ ہی رہتا ہے تاوقتیکہ وہ جمال پیکر مطلوبہ بس، ویگن آنے پر بڑی رعونت سے سوار ہو کر دیکھنے

Marfat.com

والوں کو تشنگی کا تحفہ دے جاتی ہے اور کچھ تو ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن کی نظریں صرف بس، ویگن کے آنے کی سمت لگی رہتی ہیں۔ دیکھنے والے اُسے گھوریں، کھنکھاریں، کھانسیں، زبردستی کی ہنسی یا قہقہوں سے فضا کو لرزائیں، وہ کوئی سروکار نہیں رکھتیں۔ جبکہ ان کے دیکھنے والوں کے دلوں میں جلن اور چہرے پر غصے کی لہریں انہیں بے طرح بے چین رکھتی ہیں۔ غرض بس اسٹاپ پر صنف نازک اور کرخت کے داؤ پیچ، پینترے اور کردار و شخصیت کے منفی و مثبت پہلوؤں کے ان گنت رخ میرے مشاہدے میں آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجھے وقت پر منزل مقصود پر پہنچنے کا احساس بے چین نہیں کرتا!

میرے لئے بس اسٹاپ انسانی نفسیات کی ایک دلچسپ کتاب کی طرح ہے جس کا مطالعہ میں بڑے انہماک سے کرتا ہوں اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتا ہر روز کتنوں کی کمینگیوں، نازیبا حرکات اور دل پھینک قسم کی عادات کا گواہ بنتا ہوں، لیکن میں ایسا گواہ ہوں جو ان کی اخلاقی پستیوں کو اپنے دل کے گوشے میں دفن کر دیتا ہوں۔ اس لئے کہ اسٹاپ پر ہجوم ہونے کی صورت میں بس ویگن کی کم یابی کئی قسم کی تفریح و دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ اور اس گہما گہمی میں انسان اپنی نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں کو جانے ان جانے طریقے سے طشت از بام کر دیتا ہے!

جگہ جگہ بس اسٹاپس کی موجودگی کو میں انسانی ہمدردی کے بے پایاں جذبے کا سنگ میل سمجھتا ہوں۔ لیکن اکثر ڈرائیوروں کی تیز رفتاری کا شوق، مسافروں کو مطلوبہ اسٹاپ پر اترنے سے محروم رکھتا ہے کیونکہ جذباتی اور نشے کے عادی ڈرائیور بس اسٹاپ کو شوقِ رفتار یا پھر حریف سے مقابلے کی بنا پر اہمیت نہیں دیتے اور اپنی من مانی کرتے ہیں۔ ایسے ہی ڈرائیورز مسافروں کے جذبات سے بے خبر، اپنے بے لگام جذبے کے اسیر ہوتے ہیں اور اکثر قیمتی جانوں کے اتلاف کا سبب بنتے ہیں۔ بس اسٹاپ کا یہی تو مثبت پہلو ہے کہ جو اس کا احترام کرتے ہیں وہ بے لگام نہیں ہوتے ''اور آگے چلیں گے دم لے کر'' کو حرز جاں بنائے رکھتے ہیں تو ان کے ہوش و حواس قائم رہتے ہیں اور وہ مسافروں کو بحفاظت منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ جہاں وہ ذہنی اتھل پتھل کے ہاتھوں بس اسٹاپ

Marfat.com

کوحقارت سے ضدی بچے کی طرح نظر انداز کرنے کواپنی تیز رفتاری کی معراج سمجھتے ہیں، انہیں حادثے سے دو چار ہونے، موت یا زخمی ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اگر قسمت یاوری نہ کرے تو وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی راہی ملک عدم کر جاتے ہیں!

یہ دنیا بھی تو ایک بس اسٹاپ ہے جہاں انسان آتا ہے اور اپنی چار روزہ زندگی ہنسی، خوشی یا غم والم کے ملے جلے عناصر کے زیر اثر شب و روز برے بھلے گزارتا اور دلچسپی و حیرت واستعجاب سے دنیا کی رنگا رنگی کو دیکھتا پرکھتا اور محظوظ ہوتا ہے۔ کوئی بڑا کام کر جاتا ہے، کوئی رذیل عمل وحرکتوں سے دنیا کو داغدار کر جاتا ہے اور کوئی اس سرائے فانی میں قدرت کی عطا کردہ زندگی مثبت انداز میں خرچ کر کے انمٹ نقوش ثبت کر جاتا ہے۔ جب عمر کی نقدی ختم اور زندگی کی ڈورا چانک منقطع ہو جاتی ہے تو چار کندھوں پر سوار ہو کر واپس نہ آنے کے لئے چلا جاتا ہے اور اپنی بری بھلی یادیں چھوڑ جاتا ہے۔!!

.....☆☆.....

Marfat.com

دیگر فلاحی کاموں کے لئے کروڑوں روپے دیتا ہے تو وہ حضرات کروڑ کی بجائے بیس پچیس لاکھ روپے خرچ کر کے حکومت کو ساری رقم خرچ ہو جانے کا جعلی حساب بھیج دیتے ہیں۔ اکثر ایسے حکومتی حمایتی بھی ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ حمایت کے عوض انہیں از خود فوائد..... مثلاً قیمتی زمین کا الاٹمنٹ، کارخانہ لگانے کا لائسنس، قرضے کی سہولت، (بعد میں معافی) وغیرہ خود حاکم دے یعنی۔

گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا
کر مخالف پارٹی میں شامل ہونے پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ دھمکیاں بھی دینے لگتا ہے۔

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے، طالب تاثیر بھی تھا

غالبؔ اس شعر میں اس بات پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ رقیب بھی اس کی طرح حماقت کا مرتکب ہو رہا ہے یعنی محبوب کی ستم رانیوں پر آہ وزاری کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی اس لئے کوشش فضول میں جٹا ہوا ہے کہ کم سے کم اس طرح تو اس کے نالہ وشیون سے متاثر ہو کر محبوب پر اثر پڑے گا۔ لیکن اس نادان کو یہ نہیں معلوم کہ میں بھی کتنے عرصے تک نالے وآہ وزاری کر کر کے ہلکان ہو گیا لیکن پتھر دل محبوب کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی! یوں غالبؔ رقیب کو ناکام دیکھتے ہیں تو ان کے کلیجے کو ٹھنڈک ملتی ہے کہ جس طرح محبوب نے مجھ سے بے التفاتی برتی ویسے ہی رقیب سے بھی! اگر وہ ایسا نہ کرتا تو غالبؔ کی رقیب کے سامنے بڑی سبکی ہوتی۔ اب دونوں محبوب کی نظر میں برابر ہیں۔ اس لئے غالبؔ رقیب کو سینہ تان کر کہہ سکتا ہے کہ اگر میں اپنے نالہ وشیون میں تاثیر پیدا نہ کر سکا تو تم نے کون سا تیر مار لیا۔ تم نے بھی میری طرح منہ کی کھائی۔

اسے موجودہ حالات میں یوں سمجھئے کہ ملک کی دو پارٹیاں برسر اقتدار آنے سے پہلے انتخابی عمل کے دوران عوام کو خوب سبز باغ دکھاتی ہیں لیکن ایک پارٹی برسر اقتدار آ کر سب کچھ بھول جاتی ہے تو دوسری پارٹی والے عوام کو طعنے دیتے ہیں کہ اب بتاؤ تم نے ہماری مخالفت کر کے کیا فائدہ پایا! لیکن کچھ عرصہ بعد جب دوسری پارٹی برسر اقتدار آتی

Marfat.com

ہے تو ہارنے والی پارٹی عوام کی فریاد پر قہقہے لگا کر کہتی ہے کہ تم نے ہمیں کرسی اقتدار سے دھکا دے کر کیا فائدہ اٹھایا۔ یوں عوام چکی کے دو پاٹوں میں پستے رہتے ہیں!

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

اس شعر میں غالبؔ نے محبوب پر طنز کیا ہے کہ جب میری وفائیں بے نتیجہ اور بجائے وصل کے، بستر پر رات رات بھر کروٹیں بدلنا میرا مقدر بن گیا ہے۔ بالفاظ دیگر میں بہت سی تکالیف اور عذاب ذہنی کا شکار ہو گیا ہوں تو ستمگر محبوب کیوں مجھے مرنے کی اجازت نہیں دے رہا! وہ آخر اس پر راضی کیوں نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کو میری وفاؤں سے لذت کشید کرنے کا ایسا چسکا پڑ گیا ہے کہ وہ میرے ''اندوہ وفا'' سے صرف نظر کر کے، اپنے ظلم و ستم سے مجھ جیسے شکار کو زندہ رکھنے پر مصر ہے۔ دوسروں کی تکالیف سے لذت کشید کرنے والوں پر غالبؔ نے خوب طنز کیا ہے۔

آج کل کے زمانے میں اس شعر کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ غریب لوگ بجٹ آنے سے پہلے سہمے رہتے ہیں اور جونہی بجٹ آتا ہے، مہنگائی کا سیلاب عوام کو خودکشی تک کرنے پر مجبور کر دیتا ہے لیکن حکومت وقت دلاسے دیئے جاتی ہے کہ مہنگائی کا گراف بلند نہیں ہوگا، فکر کی کوئی بات نہیں۔ اور ساتھ ساتھ مہنگائی کرنے والوں کو کھلی چھٹی دے دیتی ہے کہ آبادی کم کرنے کا نسخہ ہم نے دیا ہے، اب تم اس کا عملی نتیجہ سامنے لا کر حکومت سے تعاون کرو۔ لہٰذا تاجر جرعہ جرعہ مہنگائی کا زہر عوام کے بدن میں اتارتے ہیں اور بے بس و غریب عوام کو خودسوزی اور خودکشی پر مجبور کرتے ہیں!

کی مرے قتل کے بعد، اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہ طنزیہ شعر محبوب کی ''غالب دشمنی'' کا عکاس ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمیں محبوب کے ہاتھوں قتل ہونے سے کب انکار تھا لیکن اس رعایت کا محبوب نے یوں ناجائز فائدہ اٹھایا کہ ہمیں بلاسوچے سمجھے قتل کر دیا۔ لیکن پھر شاید اسے خیال آیا کہ بہت برا ہوا کہ

Marfat.com

اشعار غالبؔ میں زمانہ حال کے اشارے

اردو دیوان غالبؔ کی تقریباً درجن بھر قابل ذکر شرحیں چھپ چکی ہیں۔ کچھ میں سطحی انداز میں اشعار کی تشریح کی گئی ہے تو چند شرحیں ایسی بھی ہیں جو اشعار کے بطون میں اتر کر نئے جہان معنی سے آشنا کرتی ہیں۔ تاہم میرے مطالعہ میں کوئی ایسی شرح نہیں آئی، جس میں ایسے اشعار کی نشاندہی کی گئی ہو، جس میں زمانہ حال کے متعلق واضح اشارے سموئے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ایسے ہی غالبؔ کے چند اشعار کو زمانہ حال کے مطابق نئے معنی پہنانے کی کوشش کی گئی ہے، ملاحظہ ہو!

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے

غالبؔ کا یہ شعر طنز و مزاح کا حسین امتزاج لئے ہوئے ہے۔ اگر شعر کی پوشیدہ جزئیات کو ذہن میں لا کر مجسم صورت دیں تو یوں تصویر بنتی ہے کہ غالبؔ سفید براق کھڑ کھڑاتا لٹھے کا کفن زیب تن کر کے، خوب نہا دھو کر صاف ستھرے ہو کر تلوار کو ایک طرف لٹکائے لوگوں سے بے نیاز ہو کر، ایک شان استغنا کے ساتھ محبوب کے گھر کی طرف رواں دواں ہیں تا کہ محبوب، جو پہلے کوئی نہ کوئی عذر لنگ (مثلاً قتل کا آلہ دستیاب نہ ہونا یا کفن دفن کے انتظام کا فقدان وغیرہ) کر کے غالبؔ کو ٹھکانے لگانے سے ہاتھ کھینچ لیا کرتا تھا، اب ایسا ہرگز نہیں کر سکے گا۔ یعنی غالب اپنی طرف سے پوری تیاری کر کے قتل ہونے جا رہے ہیں!

دراصل اس شعر میں جو گہری بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ غالبؔ محبوب کے ہاتھوں قتل ہونے کو اپنے لئے باعزت طریقہ سمجھتے ہیں، اس لئے کہ اس طرح اس کے

Marfat.com

رقیبوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ صرف غالب ہی اپنے محبوب کا سچا عاشق ہے کہ مرتے وقت بھی محبوب کو کفن کے خرچ اور آلہ قتل ڈھونڈنے کے جھنجھٹ سے محفوظ رکھا!

زمانہ حال میں سیاست کے حوالے سے اسے یوں سمجھئے کہ عوام جب کسی حکومت سے حد درجہ تنگ آ جاتے ہیں اور مہنگائی و جرائم کے ہاتھوں بے بس ہو کر حکومت کی بے حسی پر سلگنے لگتے ہیں تو پھر اسلحہ بردار پولیس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں کہ برساؤ ہمارے سینے پر گولیاں اور ہمیں مار ڈالو یا پکڑ کر جیل میں ڈال دو۔ موجود حکومت ہم نہیں چلنے دیں گے۔ تب حکومت فیصلہ کرتی ہے کہ دستبردار ہو جائے نئے الیکشن کرائے یا مستعفی ہونے کا عندیہ دے کر عوام کو وقتی طور پر پرسکون کر دے!

میں اور بزم سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا

اس شعر میں غالب ساقی کی مہمان نوازی سے غفلت برتنے پر طنز کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں پینے پلانے والوں کی بزم میں جا کر بن پیے لوٹ آؤں، جہاں ہر ایرا غیرا نتھو خیرا پینے کے شغل میں مصروف ہو۔ بالفرض محتسب یا کسی زاہد کی وجہ سے میں نے محفل میں سب کے سامنے پینے سے اجتناب کیا تو ساقی میری توبہ کو توڑ سکتا تھا اور پھر شرابی کی توبہ بھی کیا ہوتی ہے! ابھی توبہ کی، تھوڑی دیر بعد توبہ توڑ دی۔ بلکہ شرابی توبہ ہی توڑنے کے لئے کرتا ہے تا کہ دوسرے اسے ناقابل علاج سمجھ کر رشتہ ناطہ نہ توڑ بیٹھیں۔ غالب شکایتاً کہتا ہے کہ ساقی کہاں غائب ہو گیا تھا، اسے تو جام میرے ہاتھ میں دے دینا چاہئے تھا تا کہ میں تشنہ کام تو نہ رہتا اور پی کر یہ عذر کر سکتا ہے کہ میں تو پینا نہیں چاہتا تھا لیکن ساقی نے زبردستی پلا دی۔ یوں وہ زاہد و محتسب کے لعن طعن سے بھی محفوظ رہ سکتا تھا اور پی کر مطمئن بھی ہو سکتا تھا۔

اس شعر کی روح کو سمجھنے کے لئے آپ موجودہ دور میں سیاستدانوں پہ اسے اس طرح منطبق کر سکتے ہیں کہ ہمارے ملک کا اصل حاکم اپنے حمایتیوں کو ترقیاتی کاموں اور

Marfat.com

ادب سے بھرا جام اس کے ہاتھوں میں دیتا تھا بلکہ اکثر تو اس کے منہ سے لگا کر ملتجی ہوتا تھا کہ میرے ہاتھ سے پیوتا کہ دیکھنے والے سیخ کباب ہوں۔ اس طرح غالبؔ کی آبرو بھی رہ جاتی تھی اور محبت کے حسن بلاخیز کا چرچا بھی ہوا کرتا تھا۔

سیاست کے حوالے سے اسے یوں سمجھئے کہ جب غیر مقبول حکومت عوام میں اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے، تب بھی یہی رٹ لگائے رکھتی ہے کہ ہم ہی ملک کی ڈولتی نیا کو کنارے لگا سکتے ہیں۔ ہم ہی قوم کا بیڑا پار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ ملک وقوم کا بیڑا غرق کرنے میں مصروف ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی حکمرانی پر آنچ نہ آئے! ساغر و مینا ان کے سامنے دھرے رہنے چاہئیں بے شک ہلکی ابتر حالات ان کے قابو سے باہر ہی کیوں نہ ہو جائیں!

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے میں میرا لپٹا ہوا بستر کھلا

غالبؔ کا یہ شعر اُن لوگوں پر طنز ہے جو ہاں کر کے دوسرے لمحے مکر جاتے ہیں۔ یعنی جن کے کردار میں ناپختگی کا عنصر اتنا راسخ ہوتا ہے کہ وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ کی عملی تصویر بنے رہتے ہیں۔ ان کے ہاں اور نہیں کا بھروسہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ غالبؔ اپنے محبوب پر یوں طنز کرتا ہے کہ تم نے پہلے تو مہربانی کر کے مجھے اپنے گھر کے سامنے ڈیرہ ڈالنے کی اجازت دے دی تا کہ میری پیاسی نظریں تمہارے شربت دیدار سے اکثر متمتع ہوتی رہیں تو میں پھولے نہیں سمایا۔ اور مجھے کچھ یقین سا آ گیا کہ تمہیں میری بے پناہ چاہت نے آخر متاثر کر ہی دیا ہے۔ میری بے لوث محبت نے تم جیسے سنگدل کو بھی موم کر دیا ہے..... لیکن آہ! جیسا کہ تمہاری پارہ صفت عادت ہے، تم نے فوراً پینترا بدلا اور کسی نامعقول جذبے/اندیشے کے خوف سے مجھے اپنے در پر ڈیرہ جمانے سے سختی سے منع کر دیا۔ تمہارے ''ہاں'' اور ''نہیں'' کے درمیان اتنا وقفہ رہا کہ بمشکل میں نے تسلی سے بندھا اپنا بستر کھولا ہی تھا کہ تمہارا ارادہ بدل گیا اور تم نے مجھے اپنے در سے دھتکار دیا۔

سیاست کے حوالے سے اسے یوں سمجھئے کہ ایک سیاسی پارٹی ووٹوں کی خاطر

Marfat.com

بڑے بڑے ترقیاتی منصوبوں اور عوام کو بے تحاشا مراعات دینے کا وعدہ کرتی ہے، لیکن جب برسر اقتدار آتی ہے تو فوراً پلٹا کھاتی ہے عوام کے احتجاج پر ہر بار یہی بیان دیتی ہے کہ ''ہم اپنے وعدوں پر قائم ہیں لیکن ہمارے پاس الہ دین کا چراغ نہیں کہ عوام کے پرانے اور گھمبیر مسائل پلک جھپکتے ہی حل کر دیں''..... یوں ہاں اور نہیں دونوں کا شاطرانہ استعمال کر کے عوام کو حکومت جھانسے دیتی رہتی ہے''۔

کتنے شیریں ہیں ترے لب! کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

دراصل اس طنزیہ شعر کے ذریعے غالبؔ نہایت چالاکی سے محبوب کو طیش دلا کر، رقیب کو گالیاں سنوانا چاہتا ہے تا کہ ان دونوں کے درمیان نفرت کی مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے! اب بھلا گالیوں میں کیا لذت ہو سکتی ہے!! لیکن غالبؔ محبوب سے کہتا ہے کہ تیرے شیریں لبوں سے نکلی ہوئی تلخ و ترش گالیاں بھی مٹھاس آشنا ہو کر رقیب کو بجائے طیش کے، لذت میں مبتلا کرتی ہیں اور وہ تجھے طیش دلا کر تیرا غصہ بڑھانا (موجودہ زمانے میں اسے بلڈ پریشر بڑھانا کہتے ہیں) چاہتا ہے تا کہ تو اس سے مخاطب رہے اور وہ تجھے پیار سے گھورتا رہے! دراصل غالبؔ رقیب کو محبوب کے ہاتھوں ذلیل و خوار کرانے کا اپنی چالاکی کی وجہ سے منفی زاویہ ابھار کر محبوب کو ہمدرد ظاہر کرنا چاہتا ہے تا کہ دونوں میں جدائی کی خلیج حائل ہو جائے!

موجود زمانے میں مخالف پارٹی کا کوئی قابل قدر ممبر دوسری پارٹی کے Top لیڈر کو برا بھلا کہتا ہے۔ اس کے خلاف الزام تراشی کر کے اپنے لیڈر کی نظر میں خود کو بلند کرتا ہے تا کہ وزارت وغیرہ ہاتھ آ جائے۔ لیکن جب نتیجہ حسب دلخواہ نہیں نکلتا تو پھر وہ اپنی ہی پارٹی کے لیڈر کی شان میں قصیدے پڑھنے لگتا ہے۔ وہی جو پہلے اس کی گالیوں اور سخت اعتراضات پر بپھر کر دشمن بن بیٹھا تھا، سب کچھ بھول کر اسے گلے لگا لیتا ہے۔ یوں ہر دو بڑی مخالف پارٹیوں کے لیڈر اپنے مخالفوں سے نازیبا الفاظ اور الزام تراشیوں پر بدمزا نہیں ہوتے کہ ہو سکتا ہے وہ آخر کار مایوس ہو کر اس کی تعریف کر کے اس سے صلح و

Marfat.com

غالبؔ جیسے بے ضرر عاشق صادق کو مار دیا۔ تب محبوب نے عقل کا دامن تھام کر پختہ ارادہ کرلیا کہ ایسی نادانی اب کبھی نہیں کرے گا۔ یعنی غالبؔ کو ٹھکانے لگانا محبوب کے ظلم وستم کا خاتمہ ثابت ہوا کیونکہ اس واردات کے بعد اس کے چاہنے والے ڈر کے تتر بتر ہو گئے لہٰذا کوئی بھی نہیں رہا کہ جسے محبوب اپنی چاہت کے جرم میں قتل کرنے کا سوچ سکے۔ یوں محبوب پشیمان ہو کر آئندہ اپنے کسی چاہنے والے کو قتل کرنے کا تائب ہو گیا اور اس کا افسوس بھی رہا کہ اب غالبؔ جیسا بے لوث چاہنے والا دوسرا کوئی نہیں ملے گا۔

موجودہ دور کے حوالے سے یہ تو ایسا ہی ہوا کہ جمہوریت کے نام پر ووٹ لے کر آمریت کا جنازہ نکال کر..... جب وہی جمہوری حکومت اپنی من مانی کرنا چاہتی ہے تو جمہوریت کے نام پر آمریت کے ہتھکنڈے آزمانے لگتی ہے اور عوام بپھر کر اس حکومت کے خلاف ایک ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تب حکومت پشیمان ہوتی ہے لیکن پانسہ پلٹ نہیں سکتی اور بے عزتی کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے!

جور سے باز آئے پر، باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

غالبؔ کا یہ شعر بہت تہ دار، پیچیدہ اور طنز کی کاٹ لئے ہوئے ہے۔ اس شعر میں غالب نے محبوب کو ستمگر ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں کہ محبوب کی فطرت میں جور وستم کا مادہ اتنا پختہ ہے کہ وہ اسے استعمال کئے بغیر نہیں رہتا۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ''خدارا جور وستم سے ہاتھ کھینچو کہ یہ عادت اچھی نہیں، تو محبوب کہتا ہے کہ ہم کیا کریں۔ بہت کوشش کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو لیکن جب تم سامنے آتے ہو تو ہماری رگ جور وستم پھڑک اٹھتی ہے اور ہم بے قابو ہو کر وہ کچھ کر گزرتے ہیں جسے تم جور وستم کہتے ہو۔ جب ہم باز نہیں آسکتے تو پھر بہتر یہی ہے کہ ہم تم کو اپنا منہ دکھائیں۔ یعنی محبوب نے غالبؔ سے کنی کترانے کے لئے یہ بہانہ تراش لیا ہے کہ ہم جور وستم سے باز نہیں آسکتے لہٰذا ہم تجھ کو منہ دکھلانے سے بھی مجبور ہیں۔ تم ہمارا دیدار بھی نہیں کر سکتے جب جور وستم پر شکوہ سنجی تم نے اپنا وطیرہ بنالیا ہے۔

Marfat.com

اسے موجودہ دور میں آسان لفظوں میں یوں سمجھئے کہ نئی حکومت عوام کو سہولتیں دینے اور مہنگائی کے عفریت سے چھٹکارا دلانے کا وعدہ ایفا نہیں کر سکتی تو لوگ احتجاج کرتے ہیں۔ حکومت کو وعدہ خلافی کے طعنے دیتے ہیں، جس پر حکومت کے اشارے پر پولیس آنسو گیس، لاٹھیوں اور کبھی کبھار گولیوں سے عوام کی یوں تواضع کرتی ہے کہ وہ ہائے وائے اور آہ وزاری کرتے پولیس کے آگے آگے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس اقدام کی تاویل حکومت یوں پیش کرتی ہے کہ عوام اور جمہوری حکومت کے خلاف مظاہرے توڑ پھوڑ اصلی عوام نہیں بلکہ ہمارے مخالف اور تخریب کار اور بدمعاش لوگ کرتے ہیں جنہیں ہماری حکومت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اور جب پورا ملک سراپا احتجاج بن جاتا ہے تب حکومت کو ہوش آتا ہے اور وہ نئے الیکشن کرانے کا عندیہ دیتی ہے لیکن اس سے پہلے ہی فوج اپنی طرز کی جمہوریت لانے کا وعدہ کر کے اقتدار پر قبضہ جما لیتی ہے!

گو ہاتھ میں جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

غالب کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے کمزور ہاتھوں سے ساغر بھر کر نہیں پی سکتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہر للو پنجو اور کنگلہ میرے سامنے ہنس ہنس کر اور قہقہے لگا لگا کر پئے اور طنز و مسکراہٹ کے چھینٹے میری طرف اچھالے۔ بخدا میں ان لوگوں کے مذاق شذاق کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ساغر و مینا اس لئے میرے سامنے دھرے رہیں تا کہ ان چھچھوروں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ ملے، کیونکہ جب ساغر و مینا میرے سامنے ہوں گے تو ان کو یہی گمان رہے گا کہ میں کسی وقت بھی پی سکتا ہوں۔ حالانکہ جانتا ہوں کہ میرے ہاتھوں میں وہ پہلا سا دم خم نہیں رہا، جب لہرا لہرا کر، جام چوم چوم کر پیا کرتا تھا اور لوگ میری طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اب اگر میرے سامنے جام و مینا پڑے ہوں گے تو انہیں دیکھ دیکھ کر کم سے کم تصور کی دنیا میں تو کھو سکتا ہوں اور وہ وقت یاد کر کے دل کو تسکین تو دے سکتا ہوں جب خلوت میں محبوب کی گردن میں پوری قوت سے بازو حمائل کرنے کے بعد اسے قابو کر لیتا تھا۔ جبکہ جلوت میں اہل مجلس کو جلانے کے لئے محبوب کو نہایت

Marfat.com

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

غالبؔ جو کھلے ہاتھ خرچ کرنے والے تھے، ہمیشہ ہی مقروض رہتے تھے۔ انہیں بخوبی علم تھا کہ مرنے پر قرض خواہ اس کے لواحقین کو خوب تنگ کریں گے تا کہ قرض وصول کر سکیں اور یوں وہ مر کر خاصے رسوا ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہ اپنی ذات کو طنز کا نشان بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش ہم کہیں دریا میں چھلانگ وغیرہ مار کر دریا برد ہو جاتے کہ لوگوں کو مردہ نہلانے، کفن دفن کا خرچہ کرنے، میت کو اٹھا کر لے جانے اور قبر کھودنے کی تکالیف سے نجات تو مل جاتی اور نہ کہیں مزار بنتا کہ بعد از مرگ قرض خواہ قبرستان سے گزرتے وقت طنز سے کہتے کہ یہاں دفن ہیں وہ شاعر، جسے لوگ غالبؔ کہتے تھے۔ وہ قرضوں سے اتنا مغلوب ہوا کہ بالآخر موت اس پر غالبؔ آ گئی اور وہ اس جہانِ فانی سے یوں رخصت ہوا کہ سارے قرض خواہوں کو تڑپا گیا کہ اب وہ اپنے قرض کی رقم وصول کرنے سے محروم ہو گئے۔ کوئی کہے گا کہ میری اتنی رقم ہڑپ کر کے خود تو سکون سے قبر میں لیٹا ہے اور مجھے انگاروں پر لٹا گیا۔ دوسرا کہے گا کہ نامی گرامی شاعر ہونے کی وجہ سے اُسے قرض دیا لیکن اب ہاتھ ملتا ہوں کہ کیوں اس پر اعتبار کیا۔ یعنی پس مرگ بھی، دنیا کی طرح قبر میں لیٹے لیٹے بھی اسے طعنے اور نازیبا کلمات چین سے نہیں رہنے دیں گے!

اس شعر کو موجودہ سیاسی پس منظر میں یوں سمجھئے کہ وفادار ممبران پارٹی و اسمبلی حکومت کے چھن جانے کے باوجود پارٹی کے وفادار رہتے ہیں اور ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ جیل جاتے ہیں، پولیس کی چھترول کو ہنسی خوشی سہتے ہیں لیکن پارٹی سے وفاداری نہیں بدلتے۔ لیکن جب انتخابات کا موقع آتا ہے تو پارٹی انہیں نظر انداز کر دیتی ہے اور چاپلوسوں کو ٹکٹوں سے نوازتی ہے۔ تب پارٹی کے چاہنے والے رنجیدہ اور مخالف ہستی اڑاتے ہیں کہ دیکھ لیا وفاداری کا بھیانک انجام! تب وہ پارٹی کا خیر خواہ خواہش کرتا ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ ڈوب مرے کہ اس کی لاش بھی کسی کو نہ مل سکے!

Marfat.com

عملِ تحریر اور امراض

جب کبھی ''عدل جہانگیری'' کا ذکر سنتا ہوں تو میرا ذہن فوراً آج کل کی مقبول طرزِ حکومت ''جمہوریت'' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میری ناقص رائے میں تو شہنشاہ جہانگیر ہی نے سب سے پہلے ''جمہوریت'' کی بنیاد رکھی تھی انہوں نے ''زنجیرِ عدل'' لٹکا کر عوام سے سچی محبت کی راہ دکھائی تھی۔ موجودہ دور میں اس راہ پر گامزن حکمران بذاتِ خود جو صحیح سمجھتے ہیں، وہ کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں عوام اختلاف کا حق استعمال کر کے پولیس کے ڈنڈے، لاٹھیاں اور گھونسے، لاتیں کھاتے ہیں۔ مختلف ممالک میں اب ایسی ہی شورش آمیز جمہوریت پھل پھول رہی ہے جبکہ ہمارے ہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں جونہی جمہوریت کا پودا لگایا جاتا ہے اسے بھاری بھرکم بوٹوں سے مسلنے والے آدھمکتے ہیں اور پھر جمہوریت کے نام پر مداری پن کا غیر دلچسپ کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ تخصی پسند و ناپسند کے ڈھکے چھپے اصولوں کو بروئے کار لا کر بچہ جمہورا یعنی جمہوریت کو نئے سرے سے پالنے پوسنے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسے ایسی ایسی مقوی اور تلخ و ترش دوائیں اور غذائیں استعمال کرائی جاتی ہیں کہ بدہضمی ہو جاتی ہے۔ حیرت تو تب ہوتی ہے کہ وہی لوگ جن کا پہلے مختصر عرصے کی جمہوریت کے حق میں راگ الاپ الاپ کر گلا بیٹھا جاتا تھا فوراً کینچلی بدل کر آمریت کے بھیس میں ہونے والی جمہوریت کے چہرے کے کیل مہاسوں اور پھوڑے پھنسیوں پر گہرا میک اپ کر کے شخصی حکومت کے ہتھکنڈوں کی لن ترانیوں میں یک زبان ہو کر بے ڈھنگے انداز میں مصروفِ عمل ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی سلامتی کی بجائے اقتدار کی سلامتی کے اسیر بن کر، قوم کے حقوق پامال ہوتا دیکھنے کے باوجود بھنچے بھنچے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھری طنز سجائے رکھتے ہیں۔ ایسے ہی

Marfat.com

صفائی کرلے۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں، آستان نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پر ہم، کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

غالب تو اپنے زمانے کے لحاظ سے یہ کہنے میں حق بجانب تھے کیونکہ وہ لحاظ و مروت کا زمانہ تھا۔ اسی لئے رہ گزر پر بیٹھنے والے کو لوگ شاید برا سامنہ بنا کر نظر انداز کرتے ہوئے کنی کترا کر گزر جاتے تھے۔ لیکن آج کل تو معاملہ دیگر ہے یعنی وہ مروت و شرافت کا زمانہ نہیں رہا، خاص طور پر شہروں میں! شہر میں تو رہ گزر پر جا کر بیٹھے نہیں کہ اندھا دھند رفتار سے رکشے، ٹیکسی، کار، ویگن یا بس کو سیدھے اپنی طرف آتے دیکھ کر خود ہی اٹھ کر بھاگنا پڑ جاتا ہے۔ بصورت دیگر زخمی وخمی ہونے کی صورت میں مرہم پٹی کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے یا پھر بدقسمتی سے اناللہ ہونے کی صورت میں ہسپتال کا سرد خانہ مقدر بن جاتا ہے۔ غالب کا زمانہ اچھا تھا کہ اگر کسی کو دیر و حرم سے نکالا جاتا یا کسی کو آستاں اور در سے دھکے کھا کر نکلنا پڑتا تو انتقاماً وہ راہ گزر پر بیٹھ کر دل کی بھڑاس نکال لیتا تھا اور فشارِ خون کا مریض بننے سے بچ جاتا تھا۔ پھر اس طرح وہ معاشرے کو یہ احساس دلانے میں کامیاب رہتا تھا کہ ''جب تم ہی نہیں اپنے تو راہ گزر تو اپنی ہے''۔ یہاں سے ہمیں کون مائی کا لال اٹھا سکتا ہے!

موجودہ بدلحاظی کے زمانے میں اس شعر کو یوں سمجھئے کہ دکانوں کے آگے فٹ پاتھ پر دکاندار اپنی اشیاء کو پھیلا کر راستہ بند کر دیتے ہیں تو راہ گیر مجبوراً فٹ پاتھ کو چھوڑ کر سڑک پر پیدل مارچ کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی راہ گیر اعتراض کرے اور قانون بگھارنے کی کوشش، تو دکاندار اکڑ کر کہتا ہے ''جو کرنا ہے کرلو۔ فٹ پاتھ پر مال رکھنے کے لئے وافر نقد نرائن ادا کر کے ہم قانون کا منہ بند کر چکے ہیں، تم کیا بیچتے ہو جو ہمیں قانون پڑھانے آ گئے''..... یوں غالب کے زمانہ کے دستور کا الٹ اب درست مان لینے میں کوئی حرج نہیں کہ تب لوگ غالب کو راہ گزر پر بیٹھا دیکھ کر کنی کترا کر گزر جاتے تھے اور اب راہ گیر مال فٹ پاتھ پر پھیلا دیکھ کر دانت پیستے ہوئے مجبوراً سڑک کو فٹ پاتھ کا نعم

Marfat.com

البدل سمجھ کر اسے استعمال کرنے کو غنیمت جانتے ہیں۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

غالبؔ محبوب کے وصال کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ انہیں ہلکا ہلکا بخار ہے۔ طبیعت بوجھل ہے منہ پر بے رونقی نے قبضہ کر رکھا ہے اور دیکھنے والے اسے بیمار سمجھتے ہیں۔ لیکن جونہی محبوب کے درشن ہوتے ہیں، غالبؔ کے چہرے کے خدوخال چمک اٹھتے ہیں۔ آنکھوں میں روشنی، دھڑکن دل میں تیزی، چہرے پر خوشی کی چمک کے واضح آثار..... یہ سب ثابت کرتے ہیں کہ غالبؔ کوئی بیمار و یمار نہیں ہے۔ محبوب کے دیدار کے لئے جھور رہا تھا اور خود کو جان بوجھ کر ادھ موا بنا رکھا تھا۔ ورنہ وہ محبوب کے صرف دیکھنے سے بیماری سے تندرستی تک کا فاصلہ کیسے طے کر لیتا! پس سارے رقیب اسے غالبؔ کی چال سمجھتے ہیں کہ جو محبوب کے فراق میں خود کو یوں بنا لیتا ہے کہ سب کو بیمار نظر آنے لگتا ہے تا کہ مزاج پرسی کریں، اگر مقدور ہو تو اسے گرہ سے مال خرچ کر کے پلائیں کھلائیں تا کہ شاعر بے مثال کو شفا ہو۔ سب سے اہم یہ کہ غالبؔ محبوب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ تم چاہو تو یہ بیمارِ محبت تندرست رہ سکتا ہے بشرطیکہ تم ہمارے پہلو میں رہو!

موجودہ زمانے میں سیاست کے حوالے سے یوں سمجھیں کہ ملک کا حکمران مہنگائی اور بے روزگاری کے ستائے ہوئے عوام کو اپنے دیدار پر ''زندہ باد'' کے نعرے لگاتے دیکھتا ہے تو یہی سمجھتا ہے کہ عوام خوشحال ہیں، مزے میں ہیں۔ حالانکہ وہ بدنصیب تو اس لئے نعرے لگاتے ہیں کہ آج وہ جلسہ میں عوام کے لئے مراعات اور مہنگائی کے عفریت سے چھٹکارا دلانے کے لئے ایسے اقدامات کا اعلان کرے گا کہ ان کی کچھ مشکلیں تو حل ہوں گی۔ جبکہ حکمران عوام کو نعرے لگاتے دیکھ کر ہی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ عوام مطمئن ہیں۔ یوں دونوں طرف ''مغالطہ'' اپنا کام کر جاتا ہے اور عوام یونہی سسکتے رہتے ہیں اور حکمران کے چمچے لوٹے اس کی شاندار حکمرانی کے قصیدے گا گا کر اپنا مطلب نکالتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

تحریروں میں بغاوت کے جراثیم تیزی سے پل رہے ہیں لہٰذا عوام کی بھلائی اور صحت (جو حکومت کو سب سے زیادہ عزیز ہے) کی خاطر فلاں ادیب شاعر یا کالم نگار پر فوراً توجہ دی جائے۔ اس کے وارث یا رشتہ دار صاحب استطاعت نہ ہوں تو حکومت سے رحم کی اپیل کی جائے جو فوراً قبول کر لی جائے گی ورنہ حکومت بحالت مجبوری اسے ملک بدر کر دے گی۔ کیونکہ اس کی تحریروں سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ کسی مہلک ترین مرض کا شکار بننے ہی والا ہے اور اس مرض کے وبائی ہونے میں حکومت کو ذرا بھر بھی شک نہیں۔ اس سے پہلے کہ پورا ملک اس کی پرفساد تحریروں اور اس کے مہلک مرض کا شکار ہو حکومت نے پوری قوم کی بہتری کے حق میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ پھر بھی حکومت اس سے یہ رعایت کرتی ہے کہ وہ فلاں مقامی دفتر میں خود کو پیش کر دے تا کہ اسے ملک بدری کے عذاب سے بچانے کے لئے کوئی دوسرا متبادل راستہ اختیار کیا جائے پھر بھی اگر مثبت نتیجہ نہ نکلے تو حکومت حق بجانب ہو گی کہ کسی ماہر تحریر کو حرکت میں لا کر اس کے خلاف ملک دشمن سرگرمیوں کا مقدمہ کھڑا کر دیا جائے۔ یوں حکومت مورد الزام تو نہیں ٹھہرائی جا سکے گی کہ وہ اپنے مخالف دانشوروں، ادیبوں، شاعروں یا کالم نگاروں پر قدغن لگاتی ہے اور تنگ کرتی ہے۔ علم تحریر کی بدولت تھوڑی سی ہینگ اور پھٹکری لگے گی اور رنگ بہت ہی چوکھا آئے گا۔ آزمائش شرط ہے!

غرض مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت حسب توفیق متذکرہ بالا طریقوں پر عمل کرنے کی ٹھان لے تو کوئی وجہ نہیں کہ کچھ سر پھرے اور انفرادی سے زیادہ اجتماعی و قومی مفاد کو مدنظر رکھنے والے اہل قلم راہ راست پر نہ آ جائیں۔

اور اگر پھر بھی نہ آئیں تو حکومت کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ دماغی امراض کے ہسپتال، گدو بندر اور پاگل خانے تو موجود ہیں وہاں پر ان کے دماغ بخوبی ٹھکانے لگائے جا سکتے ہیں۔ یا پھر انہیں قید تنہائی میں رکھ کر با آسانی چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر ملک بدر کر کے چھٹکارا پانے کا نسخہ تو کہیں گیا نہیں!!

.....☆☆.....

Marfat.com

اُدھار

آپ کی نظروں سے اس قسم کے نوٹس ضرور گزرے ہوں گے۔

''آج نقد.....کل اُدھار''

''قرض مقراضِ محبت ہے''

''اُدھار محبت کی قینچی ہے''

''اُدھار مانگ کر شرمندہ نہ کیجئے'' وغیرہ وغیرہ

لیکن کبھی آپ نے غور بھی کیا ہے کہ اس قسم کے نوٹس دکان میں کیوں لگائے جاتے ہیں جس طرح سرخ رنگ خطرے کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نوٹس بھی خطرے کی گھنٹی ہوتے ہیں۔ اگر آپ کسی دکان پر متذکرہ نوٹسوں میں سے کوئی ایک بھی نوٹس لٹکتا ہوا دیکھ لیں تو بہتر ہے کہ قطعاً ادھار مانگ کر شرمندہ نہ ہوں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بغیر اُدھار کے کام بھی نہیں چل سکتا۔ ایک مزدور کلرک کی آمدنی اتنی قلیل ہوتی ہے کہ وہ بغیر اُدھار کے گزارا نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجبوراً اُدھار لیتا ہے۔

ادھار لینے اور دینے میں فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات بھی ہیں۔ نقصان تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ آپ ایک دُکاندار کو ایماندار سمجھ کر مہینہ بھر اُدھار لیں۔ اور پھر تنخواہ پر ادا کر دیں۔ اور فائدہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ آپ مہینہ بھر ادھار لیں۔ اور پھر ادھار ادا کئے بغیر کہیں رفو چکر ہو جائیں..... تسلی کے لئے دونوں قسم کی ایک ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارے پڑوس میں ایک پرچون کی دکان ہے۔ دکاندار سے ہماری کافی مدت سے جان پہچان ہے۔ لیکن ہم نے کبھی بھی ادھار نہیں لیا۔ کیونکہ اس کی دکان میں سب

Marfat.com

اقتدار کے بھوکوں کے لئے کچھ صائب مشورے سپرد قلم کئے جا رہے ہیں کہ جن سے مستفید ہو کر وہ اقتدار کے مزے عرصہ دراز تک لوٹ سکتے ہیں۔

رابرٹ شارک دنیا کا بہت بڑا مستند ماہر علم تحریر تسلیم کیا جاتا ہے جس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہاتھ کی تحریر درحقیقت دماغی تحریر ہوتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جن لوگوں پر ہائپوٹزم کا عمل ہو چکا ہے، ان کی تحریر وہی طرز و رنگ اختیار کرتی ہے جو عامل تجویز کرتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر حکومت کے ہمدردوں کو یہ فن فائدہ مند سیکھ کر ان ادیبوں، شاعروں اور کالم نگاروں پر یہ عمل کرنا چاہئے کہ جو ان کے خلاف قلم گھستے ہیں۔ ایسے صاحب قلم جو سچ کو تلخ نہیں مانتے اور جھوٹ کو گھاس نہیں ڈالتے، علم تحریر کی آڑ لے کر ان پر کامیابی سے ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے تا کہ آئندہ وہ راہ راست پر آ جائیں اور تلخ، فسادی اور ہلچل مچانے والی تحریریں سپرد قلم کرنے سے باز رہیں، جن کی وجہ سے آئے دن حکومت کے سچے اور بے لوث ہمدردوں کے دلوں کو ٹھیس اور ذہن کو کچوکے لگتے ہیں اور عوام بھی ان کے خالی خولی خلوص کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ وہ صرف وہی لکھیں جو ان کے لئے ہائپوٹزم کے عمل سے تجویز کیا گیا ہو۔

حکومت کے سچے ہمدرد اور پرخلوص ساتھی وزیر وغیرہ علم ہائپوٹزم کام کی زیادتی (مثلاً ڈنر، افتتاح، بیاہ شادی، مجرا اور دیگر تقریبات) یا کسی اور وجہ سے نہ بھی سیکھ سکیں تو کیا حرج ہے۔ وہ یہ تو بہ آسانی سے کرتے ہیں کہ اپنی تقریروں اور بیانات کے ذریعے خود کو ماہر علم تحریر مشہور کر دیں اور جونہی انہیں اپنی حکومت یا اپنے خلاف لکھنے والا نظر آئے تو بلا جھجک اعلان کر سکتے ہیں کہ فلاں ادیب، شاعر یا کالم نگار کی تحریروں کے تجزیے سے منکشف ہوا ہے کہ وہ ذہنی اتھل پتھل کا شکار ہے بلکہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ خطرناک دماغی مرض میں مبتلا ہے یا عنقریب اس مرض کا شکار ہوا چاہتا ہے۔ لہٰذا حکومت کو سخت تشویش بلکہ دکھ ہے کہ ایسا جوہر قابل ضائع نہ ہو جائے۔ عوام کے منتخب اور حکومت کے ہمدردوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اپنے خرچ سے شخص مذکورہ کو دماغی امراض کے اعلیٰ ترین ہسپتال میں کافی عرصہ تک زیر علاج رکھوا دے تا کہ اس کا یقینی علاج ہو سکے،

Marfat.com

حکومت کو خدشہ ہے کہ کہیں وہ پاگل پن میں مبتلا ہو کر عوام کی تواضع اینٹوں اور پتھروں سے نہ کرنے لگے جس کے نتیجے میں لامحالہ پولیس کی مداخلت سے اسے پاگل خانے منتقل کر دیا جائے۔ حکومت جوہر قابل کی اس طرح پامالی اور خستہ حالی ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ حکومت کی سب ہمدردیاں اس کے، بلکہ اس کے پورے خاندان کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا مذکورہ جوہر قابل..... فلاں دن بوقت 9 بجے صبح اوقات کار کے دوران دفتر فلاں پہنچ جائے تا کہ حکومت اس کی صحیح صحیح خدمت کر سکے۔ بصورت دیگر حکومت کو پولیس کی مدد لینی پڑے گی۔ اس کے بعد اس پر جو کچھ گزرے گی، اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔ تھانے کے ڈرائنگ روم میں جو کچھ اس پر بیتا اور اس کے بعد جیل میں اس کے ساتھ جو ''حسن سلوک'' کیا جائے گا، جس کے نتیجے میں وہ اگر بیمار شیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہونے پر ناقص دواؤں کی وجہ سے اپنی صحت گنوا بیٹھا..... ان سب معاملات میں حکومت خود کو بری الذمہ تصور کرے گی اور کسی عدالت میں جوابدہ نہیں ٹھہرائی جا سکے گی۔

حکومت کے لئے اس سے بہتر اور باعزت طریقہ اپنے مخالف اہل قلم سے نپٹنے کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ اور زیادہ بہتر ہوگا کہ ''وزارت علم تحریر'' بنا دی جائے جس کے اراکین ملک کے حکومت مخالف ادیبوں شاعروں اور کالم نگاروں کی تحریروں کی چھان پھٹک کرتے رہیں اور ضرورت پڑنے پر دماغی ہسپتال، پاگل خانے اور غیر معینہ عرصہ کے لئے مقدمہ چلائے بغیر اندر کر سکیں۔ حکومت کی دھمکیوں پر جو کان نہ دھرے، اسے راہ راست پر لانے کا جو بھی عمل اختیار کیا جائے وہ جائز ہوگا!

ایک اور بڑے ماہر تحریر جے ہیر نگٹن کا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ تحریر سے بیماریوں کی تشخیص کرتا ہے۔ اگر حکومت ایسے ماہر حضرات کی بھی عزت افزائی کرے تو کیا حرج ہے! اس شعبے کی بھی ایک الگ وزارت بن جائے تو سبحان اللہ!

حکومت جب یہ دیکھے کہ مخالف ادیب، شاعر یا کالم نگار خبرداری کا نوٹس ملنے پر بھی سقراط کی طرح سیدھی راہ اور سچائی پر چلنے سے باز نہیں آتا اور زہر کا پیالہ پینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے تو ایسی صورت میں مشہور کر دیا جائے کہ فلاں صاحب قلم کی

Marfat.com

سے پہلے ہماری نظر ''ادھار محبت کی قینچی ہے'' کے نوٹس پر پڑتی ہے اور چونکہ ہمیں اس سے قطع محبت منظور نہیں۔ اس لئے ادھا لیتے ہی نہیں لیکن جب ایک دن ہم نے آدھ سیر دودھ کی بجائے ڈیڑھ پاؤ دودھ لیا تو ہمیں حیرت سے دیکھ کر کہنے لگے۔

''کیوں بھئی! آدھ پاؤ کم کیوں لے جا رہے ہو'' عرض کیا..... ''آج کل ذرا ہاتھ تنگ ہے''۔ کہنے لگے..... ''تو ادھار لے جایئے۔ آپ غیر تو نہیں۔ آپ کے کتنے بھائی بند ہم سے ادھار لے جاتے ہیں''۔

ہم سوچ میں پڑ گئے.....

اس نے ہمارے ہاتھ سے دودھ کا لوٹا لیا اور آدھ پاؤ دودھ اور ڈال دیا۔ اور مسکرا کر داد طلب نظروں سے ہمیں دیکھنے لگا۔

اس کے بعد ہم اس کی مروت اور حسن اخلاق کے اتنے قائل ہو گئے کہ ہر مہینے کی پندرہ یا بیس تاریخ سے (جب عموماً تنخواہ خرچ ہو جاتی ہے) روزانہ استعمال کی ہر چیز ادھار لیتے۔ اور وہ اپنے رجسٹر میں اندراج کر لیتے۔ شروع کے ایک دو ماہ تو خیر و عافیت سے گزرے۔ لیکن ایک مہینے جب اس نے ہمارا ادھار کا کھاتہ کھولا اور مجموعی رقم 80 روپے نکلی۔ تو ہمیں ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ ہمیں گھبرایا ہوا دیکھ کر مسکرا کر کہنے لگے۔

''کوئی بات نہیں۔ اگر آپ پوری رقم یکمشت نہیں ادا کر سکتے تو ساٹھ روپے ہی ادا کر دیجئے۔ بیس روپے اگلے مہینے سہی''۔

اب ہم اس سے کس طرح کہتے کہ میاں پندرہ بیس دن کے اسی روپے ادھار کیسے ہو گیا۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے۔ ہمارا زیادہ سے زیادہ خرچ چالیس، پچاس کے لگ بھگ رہتا تھا۔ اب اسی روپے کیونکر ہو گیا۔ لیکن نوٹس دیکھ کر چپ سادھ لی۔ اور یہ کہہ کر گھر لوٹ آئے کہ آپ کو رقم مل جائے گی.....

گھر آ کر بڑی دیر کڑھتے رہے اور اپنی کم عقلی پر لعنت بھیجتے رہے کہ کیوں ادھار کا چسکا ڈالا اور پھر بڑے غور و فکر کے بعد ہم نے تہیہ کر لیا کہ اس دکاندار کو آزمانا چاہئے کہ جو چیز لی جائے اُسے گھر آ کر ایک علیحدہ کاپی میں لکھ لینا چاہئے۔ مہینے کے اختتام پر اگر

Marfat.com

دونوں کا حساب برابر رہے تو ادھار کا سلسلہ جاری رکھا جائے ورنہ ترک.....

اس کے بعد ہم جو چیز دکان سے ادھار لاتے۔ اسے اپنی کاپی میں نوٹ کر لیتے۔ مہینے کے اختتام پر جب حساب ہوا تو پتہ چلا کہ دکاندار کی رقم پچھتر روپے بنتی ہے۔ اور ہماری کاپی پینتالیس بتاتی ہے۔ جب ہم نے اپنی ذاتی کاپی دکاندار کے سامنے رکھی تو وہ متانت سے بولے۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ بہت سی چیزوں کا اندراج بھول گئے ہیں''۔

عرض کیا..... ''ناممکن! ہم جو چیز بھی اُدھار لے کر گئے۔ اس کا اندراج باقاعدہ کرتے رہے ہیں۔'' پھر دکاندار نے اپنی کاپی ہمارے سامنے رکھ دی اور کہا کہ آپ فرق نکالئے۔ اپنی کاپی اور اس کی کاپی میں اندراج کا موازنہ کیا تو پتہ چلا کہ ہم چائے تین روپے کی لے کر گئے تو اس کی کاپی میں چار روپے درج ہیں۔ دودھ اتفاقاً تین پاؤ لیا تو سیر بھر کے پیسے درج ہیں۔ بڑی حیرت ہوئی اور غصہ بھی بہت آیا۔ لہٰذا ہم نے کہا ''آپ کا اندراج صحیح نہیں''۔

بگڑ کر بولے..... ''یہ بالکل صحیح ہے۔ آپ کا صحیح نہیں''۔

اور پھر تو تو میں میں بڑھی تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ایک باریش مرد ضعیف فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے پہلے ہم دونوں کی باتیں سنیں اور پھر مجھ سے پوچھا.....

''کیا آپ کی کاپی میں دکاندار اندراج کرتا رہا ہے''۔

جواب دیا..... ''نہیں..... میں خود گھر پر کرتا رہا ہوں''۔

تشفی آمیز لہجے میں بولے..... ''آپ غلطی پر ہیں۔ اگر آپ کی کاپی میں آپ کے سامنے دکاندار اندراج کرتا رہتا اور پھر فرق نکلتا تو جھگڑے کی بات بھی ہوتی''۔

اور بالآخر فیصلہ دکاندار کے حق میں ہوا۔ اور ہم پیچ وتاب کھاتے ہوئے گھر آئے..... اپنی ذاتی کاپی کو آگ میں جھونک دیا اور ادھار کے پیسے ادا کرنے کے بعد پھر اس دکاندار سے سودا لینا تو درکنا بولنا بھی ترک کر دیا۔

کچھ دن کے بعد ہمارے پڑوس میں ایک شخص آبسا۔ اس کے گھر میں صرف

Marfat.com

بیوی تھی۔ بچے نہیں تھے۔ پہلے تو دل چاہا کہ اس سے کہہ دیں کہ پڑوس والے دکاندار سے ادھار نہ لینا بڑا فریبی اور دغا باز ہے۔ لیکن پھر پڑوسی کی تیز طبیعت کا اندازہ کر کے یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ کیونکہ ہمارا پڑوسی ہر روز بیوی کو جب تک نہ مارتا اس کا کھانا ہضم نہ ہوتا تھا ہم دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے کہ اب دیکھیں دکاندار اسے کس طرح چکمہ دیتا ہے اور پھر ہمارا پڑوسی کس طرح اس کی مرمت کرتا ہے۔

مہینہ ختم ہوا تو ہمارے پڑوسی کا ادھار ستر روپے نکلا۔ انہوں نے دکاندار کی ایمانداری کی بڑی تعریف کی اور اس سے کہا کہ میرے گاؤں میں سے تین ہزار روپے آرہے ہیں، آپ بے فکر رہیں۔ اگلے مہینے اکٹھے ادا کر دوں گا۔ اور پھر دکاندار کی منت سماجت کر کے اس سے پچاس روپے ادھار بھی لے لئے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ چاہیں تو ان پر سود دینے کو بھی تیار ہوں۔ دکاندار کی باچھیں کھل گئیں..... ہمیں پڑوسی پر سخت تاؤ آیا کہ اپنی بیوی پر تو رعب جھاڑتا ہے، لیکن دکاندار سے بڑے شریفانہ انداز میں معصوم صورت بنائے گفتگو کرتا رہا ہے۔

اور جب ایک صبح اٹھا تو دکاندار اور مالک مکان کے شور مچانے کی آواز سنی بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا پڑوسی دکاندار کے ادھار کے پیسے اور مالک مکان کا کرایہ ادا کئے بغیر کہیں رفو چکر ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر ہمارا دل مارے خوشی کے بلیوں اچھلنے لگا کہ اچھا ہوا اور پھر ہم خوب بن ٹھن کر آفس جاتے ہوئے، افسردہ صورت بنائے ہوئے دکاندار کے سامنے سے بڑی اکڑ کے ساتھ کھنکارتے اور مسکراتے ہوئے گزر گئے۔

دکاندار ہمیں حسرت بھری نظر سے دیکھتا ہی رہ گیا!

.....☆☆.....

Marfat.com

چند آراء صاحبانِ قلم کی

(طنز و مزاح)

1) مضحک پہلو سے دیکھیں تو طنز و مزاح پارے تخلیق کرتے ہیں۔ لیکن جب زندگی کی ناہمواریاں ان کے سامنے آتی ہیں تو وہ ہنسنے لگتے ہیں۔ اس دور میں سنجیدہ فکری عنقا ہے اور فرد کے چہرے سے مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی ہے۔ پیچ و تاب میں ''قصہ مریض عشق کا''۔ ''خلل ہے دماغ کا'' اور ''خلعتِ فاخرہ'' جیسے مضامین فطری مسکراہٹ کو بیدار کرتے ہیں تو چہرے کا ''پیچ و تاب'' رفع ہو جاتا ہے اور ''پتوریاں'' بے ساختہ مسکرانے لگتی ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید (تبصرہ ''نوائے وقت'' اسلام آباد۔ 14 مئی 2007ء)

2) میں نے ان کے ہاں جو برجستگی دیکھی وہ دوسرے برخود غلط قسم کے مزاح نگاروں کے ہاں کم ہی نظر آئی۔ عبدالقیوم نہ الفاظ کا حلیہ بگاڑ کر مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ بے محل لطائف و استعارہ کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کا مزاح Situational (واقعاتی) ہے۔ اس ضمن میں وہ پطرس بخاری کے پیروکار نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ایسا اسلوب اپنایا ہے کہ نہایت معصومیت کے ساتھ بھرپور وار کرتے ہیں۔ عبدالقیوم کی تحریر کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ اپنے قاری کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ کہیں بھی خود کو اس سے بلند درجے پر فائز نہیں کرتے۔ طرزِ نگارش میں سادگی کے باعث اس کی روانی میں کہیں جھول محسوس نہیں ہوتا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبدالقیوم کی ادبی صلاحیتوں میں اور نکھار آئے گا اور وہ صف اوّل کے مزاح نگاروں میں کھڑے ہوں گے۔

Marfat.com

ڈاکٹر ایس۔ایم۔معین قریشی (سادگی پُرکاری 10 مئی 2006ء)
سہ ماہی ''روشنائی'' کراچی (جنوری، جون 2007ء)

3) معاصر ادب میں طنز نگاری اور مزاح نویسی کی گوناگونی خاصی دلچسپ ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کے اس دور میں متعدد شگفتہ نگار شوخی تحریر میں اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔ عبدالقیوم کی تحریریں بھی پیرایۂ افتاد میں منفرد ہیں۔ان کے قریب قریب سبھی مضمون لائق توجہ ہیں اور دامن دل اپنی طرف کھینچتے ہیں عبدالقیوم کی انفرادیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مانگے ہوئے پروں پر مور نہیں بنے پھرتے کہ آج کے اکثر طنز ومزاح لکھنے والے پطرس، فرحت اللہ بیگ، شوکت تھانوی اور شفیق الرحمٰن وغیرہ کی تقلید میں مرے جاتے ہیں۔عبدالقیوم کے مضامین کُتے، لاٹھی چارج، قصہ مریض عشق کا، بل محبت کا بل نکال دیتا ہے، دیکھئے تو جانئے کہ صاحب کتاب اپنے تحریری وسائل کے اندر رہ کر ہم سے نہیں بول رہا ہے۔

عبدالقیوم کا اسٹائل جیسا کچھ بھی ہے، ایک اچھے تفریحی ادب کی بنیاد ڈالنے میں بامراد ہے..... ''پیچ وتاب'' میں طنز ومزاح کا معیار تحصیل مزاح کی ضرورتیں پوری کر رہا ہے۔مصنف ہنسانے کی کوشش میں نہ تو لفظوں سے الجھا ہے، نہ ہنسی مذاق کی خاطر اس نے اُوٹ پٹانگ لطیفوں کے طومار باندھے ہیں..... عبدالقیوم لائق صد تحسین ہیں کہ انہوں نے طنز ومزاح کے باب میں اپنے الگ راستے وضع کئے ہیں۔

آصف ثاقب (تبصرہ ماہنامہ ''تخلیق'' لاہور دسمبر 2007ء)

4) میں آپ کے انشائیے اور افسانے کا تو پہلے ہی قائل ہوں، اب طنز ومزاح کا بھی معتقد ہو گیا۔ خداوند کریم نے آپ کو بہت تخلیقی قوتیں عطا کی ہیں جن سے آپ خوب کام لے رہے ہیں۔میری طرف سے دلی مبارکباد!

اکبر حمیدی (خط سے اقتباس)

5) مزاح والی (پیچ وتاب) تقریباً مکمل کر لی ہے۔آپ کے ہاں مزاح کا انداز شستہ ہے۔زیر لب مسکراہٹ مطالعے کے دوران دکھ درد بھلا دیتی ہے کئی کاٹ دار جملے

Marfat.com

عمیق سوچ کے در وا کرتے ہیں۔

محمد حامد سراج (خط سے اقتباس)

6) اُردو میں طنز و مزاح کی روایت بہت شاندار طریقے سے (نثر میں) جاری ہے ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین میں وہ کیفیت ہے جسے ہم (A Touch of Class) کہتے ہیں۔

سرور جاوید/ متاعِ نظر روزنامہ ''ایکسپریس'' اسلام آباد (19 اپریل 2007ء)

7) مجموعی طور پر ان مضامین کو اردو مزاحیہ ادب میں ایک خوشگوار اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

(ماہنامہ ''ماہِ نو'' لاہور..... ستمبر/اکتوبر 2006ء)

☆☆

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	کب اور کہاں شائع ہوا
1	''ہمارے استاد''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی، اگست، ستمبر 2005ء ماہنامہ ''سفر کہانیاں'' کراچی (جون 1992ء) ہفت روزہ ''طاہر'' کراچی
2	''روح کی غذا''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جنوری، مارچ 2005ء) فلمی ہفت روزہ ''نگار'' کراچی (4 مئی 1984ء)
3	''نجومی نے قسمت دیکھی''	سہ ماہی ''اردو بنچ'' راولپنڈی (نومبر، دسمبر 1986ء) سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جولائی، ستمبر 2006ء)
4	''ہوئے پٹ کے ہم جو رسوا''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (اکتوبر، دسمبر 2005ء)
5	''مشورے''	روزنامہ ''امن'' کراچی (27 جون 1984ء) سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جولائی، ستمبر 2006ء)
6	''فوٹو.....رہے یادگار جو''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جنوری، مارچ 2005ء)
7	''کچھ بیمے کے حوالے سے''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جنوری 2005ء)
8	''دیدہ دانستہ''	ماہنامہ ''شبستان'' لاہور (جون 2008ء)
9	''گالیاں''	ہفت روزہ ''عزم'' کراچی (دسمبر 1986ء)
10	''تبصرہ کے لئے''	ہفت روزہ ''طاہر'' کراچی (15 اگست 1965ء)
11	''فلم فلاپ ہونے کے بعد''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جولائی، ستمبر 2004ء)
12	''ذکر کچھ دیباچہ نگاری کا''	ماہنامہ انٹرنیشنل ''ادب'' کراچی (جنوری 1998ء)
13	''مجھے بچوں سے بچاؤ''	روزنامہ ''امروز'' لاہور (6 دسمبر 1985ء) سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جولائی، ستمبر 2004ء) ماہنامہ ''گل رخ'' کراچی (اپریل 1967ء)

Marfat.com

14	''جھگڑا صحیح ترجمہ کرنے کا''	روزنامہ ''جنگ'' کراچی (29 اکتوبر 1997ء)
15	''صرف بالغان کے لئے''	روزنامہ ''حریت'' کراچی (6 اپریل 1977ء)
16	''قرض لے اور شرمندہ نہ ہو''	''حرم ادب'' بورے والا (9 دسمبر 2004ء) ماہنامہ ''ملاقات'' کراچی (.....)
17	''کچھوس اسٹاپ کے حوالے سے''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جنوری، مارچ 2006ء)
18	''اشعار غالب میں زمانہ حال کے اشارے''	سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جنوری، مارچ 2006ء)
19	''علم تحریر اور امراض''	ہفت روزہ ''طاہر'' کراچی (1965) سہ ماہی ''ظرافت'' کراچی (جنوی، مارچ 2005ء)
20	''اُدھار''	ہفت روزہ ''نمکدان'' کراچی (مئی 1963ء)

.....☆☆.....

Marfat.com

Marfat.com

کسی سنجیدہ، بوجھل، گھمبیر افکار و خیالات کی حامل تحریر میں کہیں حسب موقعہ مزاح یا طنز کے چھینٹے بکھیرے جائیں تو قاری مسکرا بھی سکتا ہے، چونک بھی سکتا ہے، جھنجھلا بھی سکتا ہے، دانت بھی پیس سکتا ہے اور قہقہے بھی لگا سکتا ہے۔ یوں انسانی جذبات و احساسات کو متحرک کر کے، سوچ و تفکر کی طرف رہنمائی بھی کر سکتا ہے۔

مزاح فطرتِ انسانی میں نرمی، خوشدلی اور مسرت و بہجت کی لہریں موجزن کرتا ہے، جبکہ طنز کی چبھن سے شخصیت میں دبکی، ڈھکی چھپی خباثت، آزردگی اور بغض و عناد سے اس کی انی چھوتے ہی، مایوسی، بد دلی اور کڑھنے کے جان لیوا عمل کے غبارے سے ہوا نکل جانے کی وجہ سے صحیح سوچ و فکر کی طرف رغبت متحرک ہو جاتی ہے اور اگر طنز و مزاح کے اثرات و اشارات کی زبان کو قاری شرفِ قبولیت بخش کر عمل پیرا ہونے کی سعی مشکور کرے تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔

بلاشبہ زندہ و تابندہ صنفِ طنز و مزاح کے مطالعے سے ذہن و دل کے دریچوں میں سے تازہ ہوا کے جھونکے داخل ہو کر، انسانی سیرت و کردار میں مسرت و شادابی اور مثبت اثرات لانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔۔ اگر۔۔ طنز و مزاح کو پھکڑپن، تمسخرانہ لب و لہجے کی تنقید اور تحقیر آمیز اور بدزبانی کے حامل چھینٹے اڑانے سے اجتناب کیا جائے!!!

عبدالقیوم

مقبول اکیڈمی، لاہور

Marfat.com